بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا

ماہنامہ
خالد
ربوہ

سالانہ چندہ: چار روپے آٹھ آنے ═ قیمت اجتماع نمبر ۱۲ بارہ آنے

جلد ۳ — اخاء نبوت ۱۳۳۳ ھش / اکتوبر نومبر ۱۹۵۴ء — نمبر ۱

ایڈیٹر ★ غلام باری سیف ★

فہرست مضامین

ترسیل زر بنام مینیجر

(سید عبد الباسط پرنٹر و پبلشر نے خالد پرنٹنگ پریس سرگودھا میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)

اداریہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا صحیح مفہوم

(فرمودہ حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود و مہدی معہود امام الزمان مامور من اللہ تعالیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام)

سمجھنا چاہیئے۔ کہ میں کئی بار ظاہر کر چکا ہوں کہ تمہیں صرف اتنے پر خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں۔ قرآن شریف پڑھنے والے اسے سمجھ جاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ صرف زبان پر راضی نہیں ہوتا۔۔۔ جب تک انسان کا دل سب باتوں کو چھوڑ کر صرف خدا کی طرف متوجہ نہ ہو جائے۔ اور درحقیقت دین دنیا پر مقدم نہ ہو جائے۔ تب تک خدا راضی نہیں ہوتا۔ مخلوق کو تم دھوکہ دے سکتے ہو۔ ظاہری نمازیں پڑھ سکتے ہو۔ ظاہری روزے رکھ سکتے ہو۔ دکھانے کے واسطے زکوٰۃ دے سکتے ہو۔ مگر یہ دھوکا مخلوق خدا کو دیا جا سکتا ہے خدا تمہارے دھوکے میں نہیں آ سکتا۔ اتنے پر خدا تم سے راضی نہیں ہو گا۔ کہ تم زبان سے کلمہ پڑھتے ہو اور کلمہ گو کہلاتے ہو۔

کلمہ کے معنے کی طرف غور کرو۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ انسان زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے تصدیق کرتا ہے کہ میرا معبود بجز خدا کے اور کوئی نہیں۔ اِلٰہ ایک عربی لفظ ہے اور اس کے معنے معبود اور محبوب اور اصل مقصود کے ہیں یہ کلمہ قرآن شریف کا خلاصہ ہے۔ جو مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے اکثر لمبی کتابوں کا یاد کرنا ہر ایک کے واسطے مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس نے ایک مختصر سا کلمہ سنا دیا ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ جب تک خدا کو مقدم نہ کیا جائے۔ جب تک خدا کو معبود نہ بنایا جاوے۔ جب تک خدا کو مقصود نہ ٹھہرایا جاوے انسان کو نجات حاصل نہیں ہو سکتی حدیث شریف میں آیا ہے۔ من قال لا الٰہ الا اللّٰہ فدخل الجنۃ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ بہشت میں داخل ہوا۔ لوگوں نے اس حدیث کا مفہوم سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے وہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ صرف زبان سے یہ کلمہ پڑھ لینا کافی ہے اور صرف اتنے سے انسان بہشت میں داخل ہو سکیگا۔ خدا تعالیٰ الفاظ سے تعلق نہیں رکھتا۔ وہ دلوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ درحقیقت اس کلمہ کے مفہوم کو اپنے دل میں داخل کر لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عظمت پورے رنگ کے ساتھ ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں جب کوئی شخص سچے طور پر کلمہ کا قائل ہو جاتا ہے تو بجز خدا کے اور کوئی اس کا پیارا نہیں رہتا۔ بجز خدا کے اس کا کوئی معبود نہیں رہتا اور بجز خدا کے اس کا کوئی مطلب باقی نہیں رہتا۔ وہ مقام جو ابدال کا مقام ہے اور وہ جو قطب کا مقام ہے اور جو غوث کا مقام ہے۔ وہ یہی ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر دل ایمان ہو۔ اور اس کے سچے مفہوم پر عمل ہو۔ یہ فخر مت کرو۔ کہ ہم کبھی بت کی پرستش نہیں کرتے۔ اور نہ کسی انسان کی پوجا کرتے ہیں بت پرستی اور انسان پرستی سے پرہیز تو ایک موٹی بات ہے۔ ہندو جو حقائق و معارف نہیں جانتا۔ وہ بھی اب بتوں سے پرہیز کرتا ہے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم اس پر ختم نہیں ہو جاتا۔ کہ بتوں کی پوجا سے تم پرہیز کرو۔ بلکہ اس کے سوا اور بہت سے جھوٹے معبود ہیں اور ان سب کا ترک کرنا لازمی امر ہے جیسا کہ انسان کا ہوا و ہوس کے پیچھے چلنا اور اتباع شہوات کرنا اور طرح طرح کی بدیوں کی پیروی کرنا یہ سب انسان کے واسطے بت ہیں۔ جن کی وہ پوجا کرتا ہے۔ اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ میں ان سب کی نفی کی گئی ہے۔ یہ کلمہ شریف ایک اللہ کے سوائے تمام الٰہوں کی نفی کرتا ہے۔ تمام نفسی اور آفاقی الٰہ باہر نکال کر اپنے دل کو ایک اللہ کے واسطے پاک و صاف کرنا چاہیئے۔

بعض بت ظاہر ہیں مگر بعض بت باریک ہیں مثلاً خدا تعالیٰ کے سوا اسباب پر توکل کرنا بھی ایک بت ہے۔ مگر یہ ایک باریک بت ہے جیسا کہ عالم جسمانی میں بعض بیماریاں باریک ہوتی ہیں۔ مثلاً تپ دق اور بعض اور بیماریاں ہوتی ہیں

(باقی دیکھو صفحہ ۱۵)

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

جواہر پارے

عن خباب بن الارت قال شکونا الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم وھو مستوسد بردۃ لہ فی ظل الکعبۃ قلنا لہ الا تستنصر لنا الا تدعو اللہ لنا قال کان الرجل فیمن قبلکم یحفر لہ الارض فیجعل فیہ فیجاء بالمنشار فیوضع علیٰ رأسہ فیشق باثنتین وما یصدہ ذلک عن دینہ ویمشط بامشاط الحدید ما دون لحمہ من عظم او عصب وما یصدہ ذلک عن دینہ واللہ لیتمن ھذا الامر حتیٰ یسیر الراکب من صنعاء الی حضرموت لا یخاف الا اللہ او الذئب علیٰ غنمہ ولکنکم تستعجلون۔

(بخاری جزو دوم باب علامۃ النبوۃ فی الاسلام)

ترجمہ:۔ حضرت خباب بن ارتؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت خانہ کعبہ کے سایہ میں چادر کے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے ہم نے آپ سے کہا کہ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے نصرت کیوں نہیں مانگتے آپ ہمارے لئے اللہ تعالےٰ سے دُعا کیوں نہیں فرماتے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہماری اس بات کو سُنا تو یُوں ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے گڑھا کھود کر آدمی کو گاڑ دیا جاتا پھر اس کے سر پر آرہ رکھ کر اُسے دو حصّوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ اور یہ بات بھی اُسے اس کے دین سے نہ روکتی۔ اور لوہے کی کنگھیوں سے اُس کی ہڈیوں سے گوشت اور پٹھے جُدا کر دئے جاتے اور یہ بات بھی اس شخص کو اُس کے دین سے نہ روکتی۔

خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اِس امر کو ضرور پورا کریگا اور اس حد تک ہوگا کہ ایک سفر کرنے والا صنعا سے لے کر حضرموت تک سفر کرے گا۔ وہ سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرے گا سوائے اس قسم کے خدشہ کے کہ کہیں بکریوں کو بھیڑیا نہ پڑ جائے۔ لیکن تم جلد بازی کر رہے ہو۔

تشریح:۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہی ہیں جو مکّہ میں آہنگری کا کام کرتے تھے اور ابتداء میں ایمان لانے والے صحابہؓ میں سے تھے۔ دشمنانِ اسلام اُن کی بھٹّی سے دہکتے ہوئے کوئلے نکال کر انہیں اوپر لٹا دیتے حتّٰی کہ انکے جسم کی چربی نکل نکل کر کوئلوں کو ٹھنڈا کر دیتی۔ وہ کفّار کی تکالیف سے تنگ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شاکی ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم سے پہلی قوموں پر دین کی خاطر اس سے بہت زیادہ سختی ہوتی رہی لیکن انہیں دین سے کوئی چیز پھیر نہ سکی۔

پھر پیشگوئی ارشاد فرمائی کہ تم صبر کرو۔ آج تم کو یہ لوگ تکلیف دے رہے ہیں۔ کل تمہارے ذریعے ایک پُر امن دور آئیگا تمہاری مستحکم حکومت ہوگی۔ تم اُن دنوں پر نظر رکھو۔ یہ تکالیف دھوئیں کی طرح اُڑ جائیں گی۔ آج تکالیف برداشت کر لو۔ کل آرام پاؤ گے۔ دین کی راہ میں تکالیف برداشت کرنا ہی خدا تعالےٰ کے بڑے انعام کا موجب ہُوا کرتا ہے۔ گویا مصائب و تکلیف کا امتحان مومن کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ تاکہ اُسے بڑے بڑے انعامات کا وارث بنایا جائے۔

مشعلِ راہ

کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے مطالعہ کی ترتیب

سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کے مطالعہ کے لئے ترتیب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "سب سے پہلے "ازالہ اوہام" کی ضرورت ہے۔ پھر براہین احمدیہ حصّہ پنجم "تحفہ گولڑویہ" الوصیت۔ تقویۃ الایمان (کشتی نوح) ۔ حقیقۃ الوحی۔

ان کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد دوسرا سلسلہ براہین احمدیہ پہلے چار حصّے۔ سُرمہ چشم آریہ۔ آئینہ کمالاتِ اسلام۔ اسلامی اصول کی فلاسفی اور چشمۂ معرفت۔

اور وقت ملے تو باقی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی دوسری کتابیں ہیں وہ بھی پڑھیں۔ ازالہ اوہام چونکہ ابتدائی زمانہ کی کتاب ہے۔ اس لئے اس میں بعض امور حضرت اقدس علیہ السلام نے ایسے بھی لکھے ہیں جنہیں حضور کی بعد والی کتب منسوخ قرار دیتی ہیں۔ پس براہین احمدیہ حصہ پنجم اور حقیقۃ الوحی اس کے ساتھ ملحوظ رہے۔ اگر خود تحقیق کی فرصت نہ ہو تو حقیقۃ النّبوۃ کا مطالعہ کیا جاوے۔

مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صرف کتب کا مطالعہ کافی نہیں اس سے محض علمی رنگ کامل ہوتا ہے۔ ایک اور چیز ہے جس کے بغیر حضرت اقدس علیہ السلام کی بعثت سے انسان پورا فائدہ اٹھا نہیں سکتا ہے اور وہ اُن ڈائریوں کا مطالعہ ہے جو وقتاً فوقتاً اخباروں میں چھپتی رہی ہیں۔ ان کا علمی حصّہ ایسا یقینی نہیں جیسے حضرت اقدسؑ کی کُتب ہیں کیونکہ ڈائری نویس بعض وقت الفاظ پوری طرح یاد نہیں رکھ سکتا لیکن اس سے ۲ دو باتوں کا پتہ لگتا ہے ایک یہ کہ اُسے پورا کرنے کیلئے کس رنگ میں کوشش کرتے رہے۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں کے سامنے حضور کا دعویٰ پیش ہوا اور اُسے انہوں نے قبول کیا اور سالہا سال تک آپ کے ساتھ رہے یا کثرت سے آپ کی ملاقات کرتے رہے انہوں نے حضور کے کلام سے کیا سمجھا اور آپ کے ساتھ کس رنگ میں معاملہ کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں کے جاننے کے بغیر انسان احمدیت کے مغز کو نہیں پا سکتا"۔

(الفضل ۹ر دسمبر سنہ ۲۰ء)

(مرسلہ سلطان احمد پیر کوٹی واقفِ زندگی)

روشن ستارے

اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنیوالے — حضرت صہیب رضی رومی

از مکرم محمد اسلم صاحب صابر فاروقی:

شاعر نے جب ازلی سعادت اور فطری بدبختی کے مسئلہ کو اپنے تصوّر کا مرکز بنایا تو ایک نظریہ قائم کیا ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اب اس کو تفہیم عام کے لئے ایک مثال کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے دعویٰ کو یہ کہہ کر ثابت کیا ؎

حسنؓ از بصرہ۔ بلالؓ از حبش۔ صہیبؓ از روم
ز خاکِ مکّہ ابوجہل۔ این چہ بوالعجبی است

ابوجہل کو مکّہ کی سکونت اور نورِ عرفان کی کرنیں تاریکی سے نکال نہ سکیں۔ لیکن مکّہ سے کوسوں دُور رہنے والے حسن بصریؒ بلالؓ حبشی اور صہیبؓ رومی نے اُن انوارِ الٰہیہ سے اپنے دامن بھر لئے اور اس اسوۂ حسنہ سے ایسا اکتساب کیا کہ ابد الآباد تک صفحۂ ہستی پر نام روشن کر گئے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

سنان کے بیٹے صہیبؓ (خدا اُن کے مراتب بلند کرے) صہیبؓ رومی کے نام سے مشہور ہیں۔ دراصل آپ دجلہ اور فرات کی وادیوں کے رہنے والے تھے۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ شہر موصل اُن کے آباء و اجداد کا مسکن تھا۔ اور ان کا گھرانا ایک معزز گھرانا تھا جو ایرانی شہنشاہ کسریٰ کے دامنِ دولت سے وابستہ اور رموزِ شہنشاہی شاہانہ سے سرفراز تھا۔

زمانہ تغیر پذیر ہے اور کبھی ایک حال پر نہیں رہا۔ صہیبؓ کا بچپن تھا کہ رومیوں نے موصل پر حملہ کر کے اس کو تہ و بالا کیا۔ اور یہ خوش بخت بچہ قیدیوں میں شامل ہو کر روم کے بازاروں میں بکا۔ صہیبؓ غلام کی حیثیت سے بک رہے تھے مگر مقدر کہہ رہا تھا کہ ؎

یوسف! ہزار بار بکے پھر غلام نہیں!
وقت آنے دو کہ بقائے دوام کا تاج میرے سر کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ تجھے خریدنے والے محض تیرے نام سے پہچانے جائیں گے۔

اس خوش بخت غلام کو ایک رومی سپاہی نے کلب نامی ایک شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور کلب نے یہ گوہر گراں مایہ عبداللہ بن جدعان کو کوڑیوں کے مول دیا۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ بکتے بکاتے ابن جدعان تک پہنچے اور پھر آزادی میسر آئی۔ اور بعض اس پر متفق ہیں کہ عبداللہ بن جدعان نے اُن کی خوشخصالی دیکھ کر آزاد کر دیا۔ مگر آزاد ہو کر بھی عبداللہ کی رفاقت کو ترک کرنا گوارہ نہ کیا اور جب عبداللہ نے وفات پائی تو مکّہ آ گئے اور جدعان کے نانا زادہ کے ساتھ رہنا سہنا شروع کیا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد ہنوز تیس اشخاص مشرف باسلام ہوئے تھے کہ یہ بھی ایمان لے آئے۔ حضرت عمّار بن یاسرؓ بھی ان کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے۔ مسلمان ہونا تھا کہ کفّار نے اپنے جور و ستم کا تختۂ مشق بنایا۔ دنیاوی طاقت یا وجاہت تو تھی نہیں۔ بدنہادوں نے دل کھول کر ستایا۔ تفصیل لکھوں تو قصّہ طویل ہو جائے۔

مکّہ سے ہجرت کا حکم ہوا تو یہ بھی نکلے مگر مشرکین نے تعاقب کیا۔ صہیبؓ نے جب اُن کو آتے دیکھ تو رگِ شجاعت پھڑک اٹھی۔ اُن کو کہا کہ اے اہلِ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم سے بہتر تیر انداز ہوں۔ میرے ترکش میں جو تیر ہیں خدا کی قسم وہ تمہارے لئے پیامِ اجل ہیں اور اگر وہ ختم ہو گئے اور تم باقی بچ گئے تو میری یہ تلوار تمہیں موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ ہاں اگر تم مال چاہتے ہو تو میں پتہ دیتا ہوں۔ جاؤ جا کر لے لو لیکن مجھ سے تعرض نہ کرو یہ سودا تمہیں مہنگا پڑے گا۔

الغرض بچتے بچاتے مدینہ پہنچے۔ دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ؕ"

ترجمہ:۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے خود بک جاتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "ابویحیٰ" کہا۔ چنانچہ آئندہ یہی کنیت بن گئی۔ حارث بن صمہؓ انصاری کا بھائی بنایا۔ زبان میں لکنت تھی اور عجمی پن کا اثر تھا۔ مگر خود کو عرب سے منسوب کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو نہایت محبت کی نظر سے دیکھتے۔ جب ابن ملجم کی شقاوتِ قلبی آشکارا ہوئی اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میری نماز جنازہ صہیبؓ پڑھائیں اور تین دفعہ پڑھائیں۔ حتیٰ کہ مجلسِ شوریٰ خلیفہ وقت کا انتخاب کرے۔ چنانچہ یہ فخر صہیبؓ کو حاصل ہوا اور اُس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

صہیبؓ سے کچھ حدیثیں بھی مروی ہیں۔ اور بذلہ سنجی کے رنگ میں یہ لطیفہ بھی کہ

آنکھیں دُکھتی تھیں، کھجوریں کھا رہے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازراہ شفقت فرمایا۔ "صہیب! آنکھیں تو دُکھتی ہیں اور کھجوریں کھا رہے ہو۔" عرض کیا یہ اُن کا حصہ کھا رہا ہوں جو نہیں دُکھتیں۔"

درمیانہ قد۔ سُرخ رنگ۔ سر پر گھنے بال تھے۔ تہتر سال کی عمر میں ماہ شوال میں اس شیدائی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اور مدینہ منورہ میں آپ کی قبر بنی +

(ذکر حبیب بقیہ صفحہ ۸)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وضو کرتے وقت تم پاؤں پر مسح کر لیا کرو۔ لیکن تم پاؤں دھوتے ہو۔ مَیں نے کہا۔ مَیں تو یہی جانتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ نے پاؤں دھونے کا حکم دیا ہے۔ اُس نے آیت قرآنیہ پڑھ دی۔ دوسری دلیل اُس نے یہ دی کہ وضو میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے۔ تیمم میں ان پر مسح کیا جاتا ہے۔ اور وضو میں جن اعضاء پر مسح کیا جاتا ہے تیمم میں اُن کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اب دیکھو پاؤں کو تیمم میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ثابت ہُوا کہ ان کو وضو میں دھونا نہیں چاہیئے۔ بلکہ اُس پر مسح کرنا چاہیئے۔ مَیں نے یہ مسئلہ دل میں رکھا۔ لیکن پاؤں دھونے نہ چھوڑے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں دباتے دباتے یہ مسئلہ یاد آ گیا۔ مَیں نے عرض کیا۔ اس مسئلہ میں کچھ شک رہ گیا ہے۔ لیکن میں نے اس پر عمل ترک نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اُس نے قاعدہ ہی غلط بنایا ہے کہ وضو میں جن اعضاء پر مسح کیا جاتا ہے تیمم میں اُن کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اگر اس قاعدہ پر عمل کیا جائے تو اگر کوئی شخص جنبی ہو جائے تو وہ تیمم کس طرح کریگا۔ وہ کپڑے اتار کر زمین پر لیٹ جائے تب متیمم ہو۔ اس پر مَیں یہ مسئلہ سمجھ گیا +

ذکرِ حبیب

از جناب منشی سکندر علی صاحب ساکن بھینی بانگر تحصیل قادیان

(۲)

ایک دن میرا ایک شاگرد فتح دین صاحب دھرم کوٹی کی کتاب "وفات نامۂ مسیح" میرے پاس لے آیا۔ اس کتاب میں وفاتِ مسیح علیہ السلام کے متعلق دلائل تھے میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ اور مجھ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور مسیح جس نے ظاہر ہونا تھا وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب ہی ہیں۔

پھر میرے ایک دوست منشی غلام محمد صاحب ایک کتاب "رازِ حقیقت" لے آئے اس کو دیکھکر میرا یقین اور پختہ ہوگیا۔ چنانچہ ہم دونوں قادیان آئے۔ وہاں میر ناصر نواب صاحب سے جو منشی صاحب کے واقف کار دوست تھے چند باتیں سنائیں اور مغرب کے وقت ہم دونوں نے بیعت کرلی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیعت لینے کے بعد حکیم فضل الدین صاحب رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ انہیں چند کتابیں دیدو۔ چنانچہ انہوں نے ہمیں بعض کتابیں دیدیں۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں کرم دین کیس والے کے مقدمہ کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گورداسپور تشریف لے گئے۔ میں بھی تنخواہ لینے کے لئے ہر مہینہ کی چوتھی تاریخ کو گورداسپور جایا کرتا تھا۔ چنانچہ میں بھی گورداسپور گیا۔ ہم تین آدمی تھے کسی نے ہمیں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گورداسپور تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ہم تنخواہ سے فارغ ہوکر کچہری گئے لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ ایک شخص نے ہم سے دریافت کیا کہ تم کس کو تلاش کررہے ہو۔ ہم نے اُسے بتایا کہ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو تلاش کررہے ہیں تو اُس نے بتایا۔ آپ علی احمد صاحب وکیل کی کوٹھی پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم تو وہ کوٹھی نہیں جانتے۔ اُس نے کہا آؤ میں تمہیں وہاں لے جاؤں۔ یہ کوٹھی چھوٹی سی تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام برآمدہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی گود میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تھے۔ دس بارہ آدمی اور بھی وہاں تھے۔ میں بھی آپ کے پاس کھڑا ہوگیا۔ آپ باتیں کرتے رہے آپ کی باتیں مجھے انجیل اور بائبل کے مطالعہ کی وجہ سے بھی طرح سمجھ میں آگئیں۔ آپ نے فرمایا جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو پلاطوس نے بری کردیا تھا۔ اسی طرح اس وقت کے پلاطوس مسٹر ڈگلس نے مجھے بری قرار دیا تھا جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے مقدمہ کے ساتھ ساتھ دو چوروں پر بھی مقدمہ چلایا گیا تھا اسی طرح میرے ساتھ بھی دو چور تھے جن پر مقدمہ چلایا گیا۔ میں نے انجیل پڑھی ہوئی تھی اسلئے یہ بات میری سمجھ میں جلد آگئی۔

میں نے اندر دیکھا تو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ میں اندر چلا گیا۔ اور آپ سے یہ سوال کیا کہ واقعی مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا ہے؟ میں نے ایک اشتہار دیکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ بات درست ہے۔ میں نے کہا مجھے کوئی کتاب دو۔ آپ نے فرمایا۔ کتابیں تو ہم ساتھ نہیں لائے۔ قادیان آؤ تو کتابیں مل جائیں گی۔

اس کے بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا۔ آپ باتیں کرتے کرتے ذرا ٹھہر گئے۔ تو میں نے عرض کیا کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ میں نے پھر عرض کیا کیا آپ کا یہ دعویٰ قرآن و حدیث کے مطابق ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ پھر مجھے بھی چند اشتہار مل جائیں تو میں بھی مطالعہ کرلوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سمجھنے والی باتیں ہیں اور مجھ سے فرمایا۔ کہ میں کہاں کا رہنے والا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں کلانور کے پاس ایک گاؤں بکھن والا ہوں۔ آپ نے ایک احمدی دوست (مرزا نیاز بیگ صاحب) کا جو کلانور میں رہتے تھے نام لیکر بتایا کہ اُس کے پاس جانا وہ آپ کو کچھ باتیں بتائیگا۔ اس سے کوئی کتاب لیکر پڑھنا بھی۔ چنانچہ میں وہاں سے آگیا۔ لیکن راستہ میں وہ نام بھول گیا۔ میں نے بہت تلاش کیا لیکن وہ دوست نہ مل سکے۔ یہ بیعت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد میں اور منشی غلام محمد صاحب قادیان آئے اور بیعت کرکے گئے ہم اپنے ساتھ "عسلِ مصفّیٰ" بھی لے گئے جس کے مطالعہ سے مزید مذہبی واقفیت ہوگئی۔ اس کے بعد جب بھی موقعہ ملتا میں قادیان آجاتا۔

ایک دفعہ میں قادیان آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

سیر کیلئے تشریف لے جا رہے تھے میں بھی ساتھ ہو گیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مسئلہ بیان فرمایا جو میرے ذہن میں بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ بات سوچو کہ اگر ایک پیر کے چھوڑ دینے پر کسی کو اُس کے ماں باپ۔ بہن بھائی ناراض ہوں تو وہ اُسے کس طرح چھوڑ دیگا لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جن کے چھوڑنے پر نہ ماں باپ ناراض ہوتے ہیں نہ دوسرے لوگ۔ لیکن جب کسی کو وہ باتیں چھوڑنے کیلئے کہا جاتا ہے تو وہ نہیں مانتا۔ آپ نے مثال دیتے ہوئے فرمایا۔ مثلاً ایک شخص حقّہ پیتا ہے اگر اس کو کہیں کہ تو حقّہ چھوڑ دے تو وہ نہیں چھوڑتا۔ حالانکہ اگر وہ حقّہ چھوڑ دے تو اُسے اس کے ماں باپ اور بہن بھائی چھوڑ نہیں دیتے اور جو شخص اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں نہیں چھوڑتا اس کو اگر کہیں کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر ہماری طرف آ جائے تو وہ کس طرح آئیگا۔ اسی طرح اگر انسان سمجھے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نہیں چھوڑتا تو وہ بڑی باتوں کو کس طرح چھوڑے گا تو وہ بہت جلد اصلاح پذیر ہو جاتا ہے۔

حضرت منشی صاحب نے فرمایا۔ میں حقّہ پیتا تھا۔ میں نے جب یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مُنہ سے سُنی تو میں نے حقّہ چھوڑ دیا۔ میں نے خیال کیا کہ دیکھوں آیا میں حقّہ چھوڑ سکتا ہوں یا نہیں۔ اگر میں حقّہ جیسی معمولی چیز بھی نہیں چھوڑ سکتا تو اس سے بڑی بڑی چیزیں میں کس طرح چھوڑونگا۔ میں نے اس وقت عہد کر لیا کہ میں آئندہ حقّہ نہیں پیونگا۔ چنانچہ اس کے بعد آجتک میں نے حقّہ نہیں پیا۔

ایک دفعہ میں اور منشی غلام محمد صاحب قادیان آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کی نماز پڑھا کر گھر تشریف لے جانے لگے تو ہم نے واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا اس کے بعد آپ کھڑکی میں ٹھہر گئے اور ہماری طرف منہ کر کے فرمانے لگے جو لوگ بیعت کر کے چلے جاتے ہیں اور قادیان نہیں رہتے یا یہاں بار بار نہیں آتے اُن کے ایمان کے متعلق مجھے اندیشہ ہے کہ ضائع نہ ہو جائے یہ بات کہہ کر دروازہ بند کر لیا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ مصلّی پر بیٹھے ہوئے تھے میں انکے پاس چلا گیا اور بتایا کہ حضورؑ نے فرمایا ہے جو لوگ بیعت کر کے چلے جاتے ہیں اور قادیان نہیں رہتے یا یہاں رہنے کی کوشش نہیں کرتے اُن کے ایمان کے متعلق مجھے اندیشہ ہے کہ ضائع نہ ہو جائے لیکن ہم سے تو قادیان آیا نہیں جاتا۔ آپ نے فرمایا۔ کیوں۔ میں نے عرض کیا۔ ہم وہاں سکول میں پڑھاتے ہیں اور اس طرح روزی کما کر اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔ اچھا آپکے ایمان کا اب پتہ لگا۔ آپ نے تو روزی کو خدا سمجھا ہے۔ پھر فرمایا۔ آپنے خدا تعالیٰ پر بدظنی کی ہے۔ میں نے دریافت کیا وہ کیسے؟ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔ اگر آپ خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کیلئے قادیان آ جائیں گے تو کیا وہ آپ کو خوش نہیں کریگا۔ مجھے بات سمجھ آ گئی اور عرض کیا اب میں اس خیال سے توبہ کرتا ہوں۔

میں اور منشی غلام محمد صاحب قادیان سے روانہ ہوئے دھاریوال تک جاتے ہوئے ہم دعا کرتے رہے کہ کوئی سبب ایسا بن جائے کہ ہم دونو قادیان چلے جائیں راستہ میں ہی ہمیں ایک پادری ملا جس نے دریافت کیا۔ تم کہاں گئے تھے؟ ہم نے کہا ہم قادیان گئے تھے۔ وہ ہمارے افسر کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ یہ دونوں قادیانی ہو گئے ہیں اس لئے اب یہ اس قابل نہیں رہے کہ انہیں سکول میں بطور استاد رکھا جائے۔ چنانچہ چند دن کے بعد ہمیں نوکری سے ہٹانے کے متعلق آرڈر آ گیا اور چھ ماہ کا نوٹس دیا گیا۔ اس عرصہ میں یا تو ہم احمدیت سے توبہ کر لیں یا سکول چھوڑ دیں۔ منشی غلام محمد صاحب مجھ سے پہلے قادیان آ گئے اور انہوں نے شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کے پاس ملازمت کر لی۔ انہوں نے میری طرف سے ایک چٹھی نواب صاحب کو جو اُن دنوں سکول کے انچارج تھے لکھدی۔ چنانچہ میں جب قادیان آیا تو منشی صاحب نے کہا آپ نواب صاحب سے مل لیں میں نے انہیں آپ کے متعلق چٹھی لکھدی ہے۔ میں نواب صاحب کے پاس چلا گیا۔ آپ نے فرمایا تمہیں پادریوں نے پھر بلا لیا ہے میں نے کہا وہ کیسے! انہوں نے تو مجھے نکال دیا ہے۔ آپنے فرمایا۔ نہیں وہ آپ کو بلا لیں گے۔ تاہم مجھے ملازم رکھ لیا گیا۔ چھ ماہ کے بعد مشن کی طرف سے ایک چٹھی آئی کہ سکندر علی تم سکول واپس آ جاؤ۔ میں نے بعض شرائط لکھ دیں کہ مجھے جمعہ کی چھٹی دینی ہوگی اور پانچوں نمازیں پڑھنے کی اجازت دینی ہوگی۔ اس کا انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس طرح میں قادیان رہ گیا اور ۱۹۰۴ء سے ۱۹۲۸ء تک پڑھاتا رہا۔

ایک دن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاؤں دبا رہا تھا کہ مجھے ایک مسئلہ یاد آ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے ساتھ ایک واقعہ ہوا ہے۔ میں جب احمدی نہیں تھا۔ میں نے ایک جگہ عصر کی نماز پڑھی۔ میرے ساتھ ایک شیعہ نے بھی نماز پڑھی۔ میں جب نماز پڑھ چکا تو اس شیعہ نے کہا۔ تم قرآن کو نہیں مانتے۔ میں نے کہا۔ کس طرح؟ اُس نے کہا

(باقی صفحہ ۶ کالم ۲ پر)

یہ مری داستاں بھی کیا ہوگی

ہر زباں داستاں سرا ہوگی
یہ مری داستاں بھی کیا ہوگی

قصرِ شاہی بھی لڑکھڑائے گا
آہِ مظلوم جب رسا ہوگی

نہ کرو جورِ ناروا ہم پہ
پرسشِ جورِ ناروا ہوگی

دلِ مضطر کو دی گئی جو دعا
اس کو تاثیر بھی عطا ہوگی

ہر نگاہِ اسیرِ بے تقصیر
عرش و کرسی سے آشنا ہوگی

رات زنداں سے اٹھ رہا تھا دھواں
کسی معصوم کی بکا ہوگی

طعنہ زن جو زباں بھی ہے ناہید
ایک دن میری ہمنوا ہوگی

اپریل ۱۹۵۳ء

عبدالمنان ناہید

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی بیان فرمودہ تفسیر کے غیر مطبوعہ نوٹ

جناب میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم اے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ○ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ○ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ○

۱- میں اللہ دیکھتا ہوں (۲) یہ ایک کامل کتاب اور کھول کر بیان کرنیوالے قرآن کی آیات ہیں (۳) بسا اوقات خواہش کرینگے وہ لوگ جو کافر ہوئے کاش وہ مسلمان ہوتے (۴) انکو چھوڑ دے کہ وہ کھائیں اور فائدہ اُٹھائیں۔ اور آرزو انکو غافل کر دے پس عنقریب وہ جانیں گے (۵) اور ہم نے کسی بستی کو بغیر اس کے کہ اس کے متعلق معلوم فیصلہ ہو چکا ہو ہلاک نہیں کیا۔

میں اللہ دیکھتا ہوں یہ ایک کامل کتاب اور کھول کر بیان کرنے والے قرآن کی آیات ہیں۔

۱- الٓرٰ - میں اللہ مخالفوں کی شرارتوں اور منصوبوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اس لئے یہ منصوبے اور شرارتیں اس کلام کو باطل نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ خود نابود ہو جائیں گے جیسا بیان ہو چکا۔ رویت یعنی دیکھنا اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کا ظاہری امور سے تعلق ہے۔ اور علم وہ صفت ہے جو عام ہے اور ظاہر کے علاوہ اس کا باطن سے بھی تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اس جگہ الٓرٰ کے الفاظ کو لا کر بتایا ہے کہ اس سورۃ میں ان شوخیوں اور شرارتوں کا ذکر ہے جو کفار نے رسل اور ان کی جماعت سے کیں اور بتاتا ہے کہ میں ان شرارتوں کو دیکھتا ہوں۔

۲- تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ

یہ ایک کامل کتاب اور کھول کر بیان کرنے والے قرآن کی آیات ہیں۔ اس جگہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے اس کلام کے متعلق تین باتیں بیان کی گئی ہیں (الف) الکتاب (ب) قرآن (ج) مبین

الف - الکتاب کہہ کر تو بتایا کہ یہ کامل اور جامع ہے اور جس طرح کیبنٹ مخالفوں کی فوج سے دفاع کرتا ہے یہ دشمنوں کے مختلف حملوں شبہوں اور بدیوں کی دافع ہے اور یہ کثرت سے لکھا جائیگا اور شائع ہوگا۔

ب - قرآن کے لفظ میں بتایا کہ یہ دنیا میں کثرت کے ساتھ پڑھا بھی جائے گا اور یہ پڑھا جانا معمولی نہیں ہوگا۔ بلکہ بڑا پر عظمت اور شاندار ہوگا۔ قرآن کی تنکیر بمقابلہ الکتاب کے اس پر دلالت کرتی ہے۔

ج - یہ مبین بھی ہے یعنی اپنے مطالب۔ اپنی دعوت اور دلائل و براہین کو کھول کر بیان کرنے والی ہے

ان الفاظ میں قرآن مجید کی حفاظت کے ظاہری اور باطنی تین پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور بتایا کہ یہ کثرت سے لکھا جائے گا۔ اور شائع ہوگا۔ پھر کثرت سے پڑھا جائے گا اور لوگ اسے یاد کریں گے۔ گویا ہو لوگ لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ ان کے پیش نظر بھی یہ رہے گا اور جو لیا

نہیں کر سکتے۔ وہ بھی زبانی یاد کر کے اس کی تلاوت کرتے رہیں گے۔ اور یہ دونوں ذریعہ اس کی حفاظت کے لئے اختیار کئے جائیں گے۔ پھر ایک تیسرا ذریعہ بھی ہوگا۔ کہ خود اس کے مطالب اور معانی اور دلائل و براہین اس میں تحریف ہونے سے اسے بچائیں گے۔

وقرآنٍ مبین۔ اس جگہ قرآن مبین کا عطف الکتاب پر ہے۔ اس پر لوگوں نے بحث کی ہے کہ عطف تو عموماً مغائر اشیاء پر ہوتا ہے۔ اور اس جگہ الکتاب سے مراد بھی قرآن مجید ہے۔ لیکن انہوں نے غور نہیں کیا۔ اس جگہ واو عطف تفسیری کا واو ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ تلک آیات الکتاب والذی انزل الیک من ربک الحق (رعد)

جن لوگوں نے کفر (کا راستہ) اختیار کیا ہے وہ بسا اوقات آرزو کریں گے کاش وہ بھی مسلمان ہوتے۔

۳۔ رُبما۔ رُبّ اور ما سے مل کر بنا ہے اور رُبّ کبھی ب کی تشدید سے بھی استعمال ہوتا ہے گویا رُبَما اور رُبّما دونوں طرح یہ لفظ ہے اور جس طرح ماضی کے معنوں کے بیان کے لئے آتا ہے اسی طرح مستقبل کے معنے بھی دیتا ہے۔ جیسے ابو سفیان کی بیوی معاویہ کی والدہ ہندہ کہتی ہے۔

یا رُبّ قائلۃ غداً
یا لہف ام معاویہ

اسی طرح سلیم القشیری کہتا ہے۔

وَربّ مُعتصِمٍ بالجُبنِ مِن خشیۃِ الرّدی
سَیَرْدیٰ وَغازٍ مُشفقٍ سَیؤُبُ

ورب معتصم یعنی موت کے ڈر سے بزدلی کی پناہ لینے والا ہلاک ہو کر رہے گا۔ جبکہ ہر قسم کے خوف وہراس سے بے پرواہ ہو کر جنگ کے لئے نکل کھڑا ہونے والا زندہ وسلامت گھر لوٹ آتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ربّ کے معنی ربوبیت اور تربیت کرنے کے ہیں۔ اور اسی سے آربّت السحابۃ کے معنے ہو گئے ہیں بادل ہمیشہ رہا۔ اسی لئے ربما کا استعمال جیسا کہ امام راغب نے تصریح کی ہے اس چیز پر بھی ہوتا ہے۔ جو بار بار ہوتی رہے۔ اور آربّ کے معنے ہیں ہمیشہ رہا۔ آربّ بالمکان کے معنے ہیں اس جگہ مقیم ہو گیا۔

کفار یہ آرزو کب اور کیوں کریں گے؟ ربما کا لفظ بتاتا ہے کہ کفار کے دلوں میں یہ آرزو بار بار پیدا ہوگی۔ قیامت کے دن بھی جب انکشاف تام ہو جائیگا مسلمانوں کی دنیوی فتوحات کے وقت بھی۔ جیسا کہ ابن مسعود نے تصریح کی ہے اور قرآن مجید کی تعلیمات کی خوبیوں کے اظہار کے وقت بھی۔ اسی طرح بتایا ہے کہ زور دلائل کا یہ ہمیشہ ہمیشہ ظاہر ہوتا رہیگا کہ اسلامی مسائل کے کبھی ایک حصہ اور کبھی دوسرے حصہ کا مخالف اعتراف کرتے رہیں گے۔ گذشتہ تیرہ سو سال میں یہ اعتراف یہودیوں کی طرف سے بھی ہوا ہے عیسائیوں اور زندیقوں کی طرف سے بھی اور نا معلوم ان کی تعداد کتنی ہے جن کی زبان پر تو یہ اعتراف نہیں آیا۔ لیکن دلوں نے اسے محسوس ضرور کیا ہے۔

غرض اس کتاب کے دلائل ایسے پختہ ہیں کہ کافروں کا بھی بعض اوقات جی کرتا ہے کہ ہم مسلمان ہو جائیں۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی صفت بیان نہیں کی جسے بیگانے کے سامنے پیش کرتے ہوئے شرم آئے۔ ہندو کہتے ہیں خدا نے سؤر کا اوتار لیا۔ لیکن پھر انہیں اس کی توجیہہ کرنی پڑتی ہے اسی طرح عیسائی جب بیٹا کہتے ہیں تو اس کی عجیب و غریب تاویلیں کرتے ہیں۔ مگر اسلام نے جس خدا کا تصور پیش کیا ہے وہ ہر عیب سے منزّہ اور ہر قسم کی کمزوریوں سے بری ہے یہی حال اس کی تمام تعلیمات کا ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ فرمانبرداری میں کوئی دکھ نہیں تمام دکھوں کی جڑ نافرمانی ہے۔

تو انہیں (ان کے حال پر) چھوڑ دے کہ کھاتے (پیتے) رہیں۔ اور عارضی سامانوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں اور (باطل) امیدیں انہیں غافل کئے رکھیں (کرتی رہیں) کیونکہ یہ جلد ہی معلوم کر لیں گے (کہ کیسے دھوکہ خوردہ تھے)

۴۔ فرمایا۔ گو اسلامی فتوحات اور اس کی تعلیم کی برتری تاریخی طور پر کفار میں لو کانوا مسلمین کا جذبہ پیدا کرے گی۔ لیکن اکل و شرب میں ان کا انہماک دنیوی عیش و عشرت میں توغل اور طول امل انہیں صحیح رنگ میں نیکی اور حق کی طرف قدم اٹھانے میں روک بنتا رہے گا۔

ذرہم کا لفظ یہ بھی بتاتا ہے کہ اسلام جبری نہیں کہ زبردستی منوایا جائے۔ عذاب و جہاد کا حکم نقض امن اور منقبول کو ان کے دین اور مذہبی کاموں سے روکنے کی وجہ سے آتا ہے۔ ورنہ کوئی شخص تبدیلی اور اختلاف مذہب سے نہیں پکڑا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مذہب ایسا نہیں آیا۔ جو کسی سے بجبر منوایا جائے اسلام نام ہے صدق دل سے مان لینے کا اور جبر و اکراہ سے اس کا حصول ممکن نہیں۔ چنانچہ اس کے بعد ما اهلكنا من قرية میں صاف طور پر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ تبدیل و اختلاف مذہب سے نہیں پکڑتا۔ بلکہ نقض امن، شوخی اور شرارت پر اس دنیا میں مواخذہ فرماتا ہے۔

۵۔ اور ہم نے کسی قوم کو بغیر اس کے کہ اس کے متعلق معلوم فیصلہ ہو چکا ہو۔ کبھی ہلاک نہیں کیا۔

کتاب معلوم۔ معلوم فیصلہ۔ مقررہ وقت۔ ٹھہرایا ہوا قانون۔ کہ کوئی بات اس طرح یا اس حد تک ہو گی۔ تو ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا۔ اس میں اوّل لکل امة اجل کا مضمون بیان ہوا ہے۔ دوئم۔ ما کنّا معذّبین حتّٰی نبعث رسولا کی طرف توجہ دلائی ہے سوئم یہ بتایا ہے کہ رسول کی بعثت کے بعد بھی اگر لوگ سرکش و بدکار رہیں تو عذاب آتا ہے۔ چہارم اس دنیا میں بھی اس کا نظارہ ہمارے سامنے ہے کہ ایک حد تک زنا کرکے سوزاک یا آتشک ہوتا ہے۔

کوئی قوم بھی نہ تو اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ (اس کے افراد) پیچھے رہ سکتے ہیں۔

فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی تباہی اور کسی قانون کی عکم تبدیلی کے نتائج کے ظہور کا جو وقت مقرر فرمایا ہے اس سے نہ تو اس طرح بچا جا سکتا ہے کہ قوم کے افراد تیز رفتاری کر کے آگے نکل جائیں۔ اور عذاب یا نتائج کا ظہور پیچھے رہ جائے نہ اس طرح محفوظ رہا جا سکتا ہے کہ عذاب آئے اور نکل جائے۔ اور وہ پیچھے رہ جائیں۔ غرض سابق و تاخر کی کوئی صورت قوم کو انکار و سرکشی کے عواقب سے بچا نہیں سکتی ؎

بقیہ حقیقت اسلام - خدمت خلق

دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دکھ اٹھائیں اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے ہر رنج کو گوارا کر لیں"

پھر فرمایا:۔

"اور خلق اللہ کی خدمت اس طرح ہے کہ جس قدر خلقت کی حاجات ہیں۔ اور جس قدر مختلف وجوہ اور طرق کی راہ سے قسّام ازل نے بعض کو بعض کا محتاج کر رکھا ہے ان تمام امور میں محض للہ اپنی حقیقی اور بے غرضانہ اور سچی ہمدردی سے جو اپنے وجود سے صادر ہو سکتی ہے انکو نفع پہنچاوے اور ہر ایک مدد کے محتاج کو اپنی خداداد قوت سے مدد دے۔ اور انکی دنیا و آخرت دونوں کی اصلاح کیلئے زور لگا دے۔ . . . . سو یہ عظیم الشان للّٰہی طاعت و خدمت جو پیار اور محبت سے ملی ہوئی اور خلوص اور حنفیت تامہ سے بھری ہوئی ہے۔ یہی اسلام اور اسلام کی حقیقت اور اسلام کا لبّ لباب ہے"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۶۰ تا صفحہ ۶۲)

خدا تعالیٰ ہم سب کو حقیقی خادم اور حقیقی مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین۔

خاکسار محمد صدّیق

مہتمم عمومی مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

نظام و تربیت کا مظاہرہ

(سالانہ اجتماع ۱۹۵۴ء کے موقعہ پر سیدنا حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے بعض ہدایات فرمائی تھیں۔ چونکہ ان کا تعلق اجتماع سے ہی ہے اور آئندہ اجتماع قریب آرہا ہے اس لئے ان ہدایات کو ذہن میں مستحضر کرنے کے لئے ان کا خلاصہ اپنے الفاظ میں شائع کیا جا رہا ہے)

حضور نے فرمایا۔

۱۔ یہ تربیت اور نظام کے مظاہرہ کے دن ہیں اس لئے اگر کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے جو نظام کے خلاف ہے تو جس غرض کے لئے یہ اجتماع کیا گیا ہے۔ وہ اس روح کو کچلنے والی ہوگی۔ اس لئے مرکزی معتمدین اور زعماء یہ بات نوٹ کر لیں۔ کہ آئندہ جو خدام یہاں بیٹھیں وہ خیموں کے نظام کے ماتحت بیٹھیں۔ یعنی ہر جماعت اکٹھی بیٹھے کیونکہ یہ بات تو یہاں نہیں کہ انہوں نے متفرق جگہوں سے آنا ہے۔ یا انہوں نے متفرق کاموں سے آنا ہے۔ یہاں جگہ بھی ایک ہے۔ اور سارے دن کا پروگرام بھی مقرر ہے۔ جس وقت جلسہ ہوگا۔ خدام کسی نہ کسی کام میں مصروف ہوں گے اور اس کام کو چھوڑ کر انہوں نے یہاں آنا ہوگا۔ مثلاً کھانا ہے۔ وہ بھی خدام اکٹھا کھاتے ہیں یعنی کھانے کا بھی ایک خاص وقت مقرر ہے۔ پھر رہائش کی جگہ بھی ایک ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ جلسہ میں خدام الگ الگ بیٹھیں۔ آئندہ کے لئے یہ انتظام ہونا چاہیئے۔ کہ خدام جماعت وار بیٹھیں اور ایک خاص وقت مقرر ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اس وقت کے اندر اندر یہاں جلسہ میں بیٹھ جائیں۔ پھر انہیں جماعت وار بلایا جائے۔ اور دیکھا جائے کہ آیا تمام خدام حاضر ہیں۔ اور زعیم اطلاع کرے کہ میری جماعت کے سب خدام حاضر ہیں۔

پھر وہ زعماء اس بات کے ذمہ دار ہیں۔ کہ ان کی مجالس کے ارکان اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں اگر کسی خادم کو کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ وہ جانا چاہے تو وہ اپنے زعیم سے اجازت لے کر مجلس سے اٹھے۔ اور وہ زعیم اس بات کا ذمہ دار ہو۔ کہ وقت پر بتائے۔ کہ فلاں فلاں خادم میری اجازت سے باہر گئے ہیں۔

۲۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جلدی جلدی اور زور کے ساتھ بولا جائے۔ تو تقریر زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ نہ جلدی جلدی بولنا تقریر کے اندر تاثیر پیدا کرتا ہے۔ نہ زور سے بولنا تاثیر پیدا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی تقریر بے موقعہ زور سے بولتا ہے۔ تو تقریر کا اثر کم ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا وہ گلے سے اوپر بول رہا ہے۔ دل سے نہیں بول رہا۔ اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ پندرہ سولہ منٹ کے بعد گویائی سے محروم ہو جاتا ہے۔

پھر تقریر کرنے والے کو اپنا مضمون اس طرز سے بیان کرنا چاہیئے۔ کہ اسے مضمون کے سارے پہلو مدنظر ہوں بعض دفعہ تقریر کرنے والا اپنا مضمون ایسے طور پر بیان کرتا ہے کہ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا طریق بیان درست ہے لیکن جن شقوں کی وجہ سے وہ اسے واضح محسوس کرتا ہے وہ سامعین کو معلوم نہیں۔ اس لئے اس کی تقریر بے کار ہو جاتی ہے۔ مثلاً آج ہی بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ بات تو واضح ہے لیکن یہ فقرہ وہاں کہا جاتا ہے جہاں تقریر کرنے والا کسی منطقی نکتہ کی طرف پہلے اشارہ کر دیتا ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہر انسان کے اندر عقل

اور سمجھ رکھی ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب ایک انسان کے سامنے کوئی غیر معقول بات پیش کی جائے گی۔ تو وہ اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ چونکہ ہم نے ایک ایسی بات پیش کی ہے جس کو دنیا کے سب لوگ جانتے ہیں۔ اور پھر یہ بات پیش کی۔ کہ اگر انسان کے سامنے کوئی غیر معقول بات رکھی جائے تو اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ تو یہ بات سچ جائے گی۔ لیکن اگر ہم کہیں گے کہ یہ بات واضح ہے کہ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور ہونا چاہیئے تھا۔ تو یہ بات ہمارے لئے تو واضح ہے کہ دنیا کے حالات اس قسم کے ہیں کہ وہ تقاضا کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی نبی مبعوث ہو۔ لیکن ایک مخالف تو یہ بات نہیں مانتا۔ پس کوئی بات کہتے وقت یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ آیا سننے والا اسے سمجھ سکے گا یا نہیں۔

۳۔ میرے نزدیک تقریریں کرانے کا یہ طریق جو نکالا گیا ہے غلط ہے۔ بعض تقریریں کرنے والوں نے ایسے مضامین منتخب کئے ہیں جو بہت ہی اہم ہیں۔ لیکن وہ دو منٹ کے بعد چپ ہو جاتے ہیں۔ دو منٹ میں مضمون کی ماہیت کو بیان کرنا بھی مشکل ہے اس لئے یہ طریق غلط ہے پھر یہ کہنا کہ تقریر کے لئے نام لکھا دو۔ یہ طریق بھی غلط ہے۔ یہ علم کے مظاہرہ کا موقعہ ہے۔ یہ اجلاس عام انجمنوں کا اجلاس نہیں یہ وہ اجلاس ہے کہ جس میں یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ہم نے نوجوانوں کو اتنی مشق کرائی ہے۔ مثلاً جلسہ سالانہ کے موقعہ پر تقریر کے لئے بعض دفعہ بڑے بڑے عالموں کا نام بھی آجاتا ہے۔ لیکن میں وہ نام کاٹ دیتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ انہیں پہلے باہر مشق کرالو۔ اسی طرح یہ خدام الاحمدیہ کا سٹیج ہے۔ یہاں پر مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ ہم نے اپنے خدام کو تقریر کرنے کی کتنی مشق کرائی ہے اور ان کے ذہنوں میں کتنی جلا پیدا کر دی ہے۔ پس ایسے موقعہ پر یہ کہنا کہ تقریروں کے لئے نام لکھوا دو غلط ہے۔ کچھ مضامین پہلے چن لینے چاہئیں۔ اور انہیں باہر بھجوا دینا چاہیئے۔ اور بعض ایسے سرکل بنا دینے چاہئیں جن میں سے ایک ایک نمائندہ لے لیا جائے۔ پھر انہیں اختیار دیا جائے کہ وہ اپنی میٹنگ کریں۔ پھر اس موضوع پر جس پر ان کے نمائندہ نے اجتماع کے موقعہ پر تقریر کرنی ہے۔ خوب بحث کریں۔ اور دلائل بیان کریں۔ پھر جو نمائندہ منتخب ہو۔ وہ ان دلائل میں سے کچھ دلائل چن لے۔ اور نوٹ لکھ لے۔ یہاں تقریر زبانی ہو۔ لیکن تقریر کرنے والے کو یہ اختیار دینا چاہیئے۔ کہ وہ اس کے لئے بعض نوٹ لکھ لے۔ اور پھر ان لیکچراروں کو کم از کم بیس منٹ ملنے چاہئیں اس طرح دو گھنٹے میں چھ لیکچر ہو جائیں گے۔

۴۔ جہاں تک تحریری مضامین کا سوال ہے اس بات کی ضرورت نہیں کہ یہاں یہ کہا جائے کہ دوست امتحان میں شامل ہونے کے لئے اپنا نام لکھا دیں۔ بلکہ پرچے بنا کر باہر بھجوا دینے چاہئیں۔ خدام ان پرچوں کی تیاری کریں اور جب یہاں آئیں۔ تو وہ امتحان کے لئے اپنا نام لکھوا دیں۔ یہاں سپروائزروں کے سامنے بیٹھ کر وہ مضامین لکھیں اور ہر سال ایسا کریں۔ جو گروپ قابل ہو جائیں ان کی جگہ دوسرے گروپ لے لئے جائیں۔ اس طرح قدم بقدم تمام جماعتوں کے سرکل مقرر کر کے مضامین لکھوا ؤ۔ اگر آپ لوگوں نے مضمون نویسی کی مشق کرانی ہے تو بے شک امتحان میں شامل ہونے والے کتابیں بھی ساتھ لے آئیں انہیں یہ اختیار دیا جائے۔ کہ وہ ضروری کتابیں دیکھ سکیں۔ لیکن کسی سے مشورہ نہ لیں۔ بہرحال انہیں یہ موقعہ دینا چاہیئے۔ کہ وہ مختلف کتابوں سے استنباط کر کے مضامین لکھیں۔

۵۔ یہاں کوئی ایسا انتظام نہیں۔ کہ مضمون میں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی اصلاح کر دی جائے مثلاً یہی مضمون ہے۔ کہ پاکستان کو کس بلاک میں شامل ہونا چاہیئے۔ یہ مضمون طلباء کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ یہ مضمون جماعت کے امام کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور حکومت کے کارکنوں کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہے اگر کوئی لیکچرار

کوئی ایسی بات کہہ دے جو سلسلہ کی پالیسی کے خلاف ہو اور اس کی بعد میں تردید نہ کی جائے۔ تو سننے والا وہی خیال ساتھ لے جائے گا۔ اور کہیگا۔ کہ میں خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع پر گیا تھا اور وہاں سے یہ بات سن کر آیا ہوں۔ پس اس موقعہ پر ایسا انتظام بھی ہونا چاہیئے کہ کوئی شخص کسی قسم کا کوئی غلط خیال اپنے ساتھ لے کر نہ جائے۔

۱۱۔ ایک بات میں یہ بھی کہنی چاہتا ہوں کہ اس وقت جو لوگ ارد گرد کھڑے ہیں میرے خیال میں یہ اس لئے کھڑے ہیں کہ ان کے بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ میں نے پچھلے کسی موقعہ پر یہ تجویز بتائی تھی۔ کہ خدام خیمے کے سامان کی طرح کوئی نہ کوئی ایسا کپڑا بھی ساتھ لایا کریں۔ جس کو وہ نیچے بچھا کر بیٹھ سکیں۔ اور پھر یہ انتظام ہی اسی قسم کا ہے۔ کہ نوجوانوں کو یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ سختی اور ترشی کیسے برداشت ہو سکتی ہے۔ پس خدام اپنے ساتھ ایک زائد کپڑا لے آیا کریں۔ جس پر وہ اس قسم کے موقعوں پر بیٹھ سکیں۔ اس پر مہمانوں کو بھی بٹھایا جا سکتا ہے۔ یا ایسے خدام جو اپنے ساتھ کم کپڑے لاتے ہیں۔ وہ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں ؞

محبوبِ ازلی کے حضور میں

(عبدالسلام اختر ایم اے)

میری نگاہوں میں بسنے والے تیرا بسیرا ہے کس چمن میں
خموش ذرّوں کی بزم میں یا خنک ستاروں کی انجمن میں

تیری تجلّی نظر نظر سے کچھ ایسے دامن کشاں رہی ہے
کہ ہر محبّت کی آنکھ تیرے فراق کی داستاں رہی ہے

کواکب و مہر و مہ ازل سے تیرے فسانے سنا رہے ہیں
ترے لئے برگِ گل پہ شبنم کے تار بھی مسکرا رہے ہیں

تیری مشیّت! کہ خارِ صحرا گلوں کے انداز پا رہا ہے
تیری خوشی ہے کہ لٹنے والا سکوں کی بنسی بجا رہا ہے

تیری یہ کیفیّت نمایاں کہ نور بھی تو حضور بھی تو
خرد کی آنکھوں کے پاس بھی تو خرد کی آنکھوں سے دور بھی تو

یہ فرقِ تاباں، افق کے چہرے پہ روشنی جگمگا رہی ہے
کہ دل تو بیدار ہو رہا ہے، خیال کو نیند آ رہی ہے

حقیقتِ اسلام ــــ خدمتِ خلق

خدام الاحمدیہ کی تنظیم جہاں نوجوانوں کی اصلاح اور ان میں کام کرنے کی عادت ڈالنے کے لئے ہے وہاں پر یہ اعلیٰ اور ارفع مقصد بھی اس تنظیم کا ہے کہ ان میں مخلوق الٰہی کی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو۔ اور وہ بلا امتیاز مذہب و عقیدہ ہر فرقہ اور ہر عقیدہ اور ہر مذہب کے افراد کی بے لاگ خدمت کریں۔

یہ امر بے حد مسرت کا موجب ہے کہ مجالس خدام الاحمدیہ کے اراکین میں یہ جذبہ خدا تعالےٰ کے فضل سے موجود ہے اور وہ موقعہ آنے پر بنی نوع انسان سے ہمدردی کرتے ہوئے خدمتِ خلق کے فریضہ کو ادا کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ملک کے دونوں حصوں مشرقی اور مغربی پاکستان میں حال ہی میں جو تباہ کن سیلاب آئے۔ اور ان سیلابوں کی وجہ سے بہت سی مخلوق کو نہ صرف بے سروسامانی کی حالت میں اپنے گھروں سے بے گھر ہونا پڑا۔ بلکہ بہت سی امراض اور دیگر مشکلات کو برداشت کرنا پڑا۔ ان حالات میں الحمدللہ کہ ہمارے خدام نے ہر مقام پر مصیبت زدگان کی امداد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بلکہ ہر رنگ میں بنی نوع انسان کی ہمدردی کے پیش نظر مصیبت میں مبتلا لوگوں کی بے لوث خدمت کی۔

کمزوروں اور ضعیفوں کو سر چھپانے کے لئے مکانات تیار کرنے میں مدد دی۔ بیماروں کے لئے دوائیں مہیا کیں۔ اور برہنہ تن لوگوں کے لئے کپڑے مہیا کئے۔ غرضیکہ ہر ممکن طریق پر ان کی مدد کی۔ اور اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا۔ کہ خدام الاحمدیہ کے قیام کی جو اغراض ہیں ہمارے نوجوان ان کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔ اور انہیں پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

ان سطور کے ذریعے خدام الاحمدیہ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ کہ خدمتِ خلق اور ہمدردی بنی نوع انسان کے جس جذبہ کا اظہار آپ نے حالیہ سیلابوں کے دنوں میں کیا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ ہنگامی طور پر آپ کام کرنے کے بعد اسے ہی کافی سمجھ کر سست ہو جائیں۔ بلکہ اس مقصد کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھیں۔ اور بنی نوع انسان کی خدمت کے مواقع تلاش کرتے رہیں کیونکہ ہم احمدی ہونے کے مدعی ہیں۔ اور حقیقی احمدی وہی ہو سکتا ہے۔ کہ جو بنی نوع انسان کی ہمدردی اور خدمت میں اپنے آپ کو لگائے رکھے۔ اور خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت کی شرائط میں ہمدردی مخلوق اور خدمتِ خلق کو بھی ایک شرط کے طور پر رکھا ہے۔ لہٰذا جب تک ہم بنی نوع انسان کی خدمت میں نہ لگے رہیں۔ اس وقت تک ہم حقیقی احمدی اور حقیقی خادم نہیں بن سکتے۔

خدمتِ خلق کی اہمیت کے لئے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے امید کروں گا۔ کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کے مطابق پورا اترنے کی کوشش فرماویں گے تاکہ آپ نہ صرف حقیقی خادم بن سکیں۔ بلکہ اسلام کی حقیقت کو اپنے اندر پیدا کر کے حقیقی مسلمان کہلا سکیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام حقیقتِ اسلام کو بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"دوسری قسم اللہ تعالےٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کی یہ ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور بار برداری اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جاوے"

(باقی دیکھو صفحہ ۱۲ کالم ۲)

متاعِ دیدۂ گریاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

طوافِ کوچۂ جاناں نہیں تو کچھ بھی نہیں
متاعِ دیدۂ گریاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

وہ جلوہ گاہ جسے کائنات کہتے ہیں
دلیلِ ہستئ یزداں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ کوہسار یہ صحرا یہ چرخِ مینائی
سجودِ شب سے درخشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ اقتدار کے رسیا یہ زر کے متوالے
ترے حرم کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

عروجِ آدمِ خاکی بجا سہی لیکن
علاجِ تلخئ دوراں نہیں تو کچھ بھی نہیں

وہ زندگی جو بھٹکتی ہے خارزاروں میں
تری نظر سے گلستاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

نہ ذوقِ وصل مبشّرؔ نہ لطفِ تنہائی
کشاکشِ غمِ ہجراں نہیں تو کچھ بھی نہیں

مبشّر احمد راجیکی

خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے قیام کا مقصد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"میں نے اپنی جماعت میں خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کو اس غرض کے لئے قائم کیا ہے کہ وہ محنت کریں اور مشقت طلب کاموں کی اپنے اندر عادت پیدا کریں۔ جبتک انسان اپنے اوقات کو ضائع ہونے سے نہیں بچاتا، اُسے خدا نہیں مل سکتا۔ خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے قیام کا اصل مقصد یہ ہے کہ جماعت میں مشقت طلب کاموں کی عادت پیدا ہو اور ہر فرد کسی نہ کسی کام میں مشغول رہے۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم تفسیر سورۃ انشقاق)

مرسلہ صوفی خدا بخش صاحب عبد زیروی

"خدام الاحمدیہ جیسی جماعت کا وجود ایک نہایت ہی ضروری اور اہم کام ہے اور نوجوانوں کی درستی اور اصلاح اور ان کا نیک کاموں میں تسلسل ایک ایسی بات ہے جسے کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔" (الفضل ۱۲ مارچ ۱۹۵۶ء)

امریکہ کی مذہبی حالت پر ایک نظر اور کوایکرازم

لیکچر جناب صوفی مطیع الرحمن صاحب بنگالی ایم۔اے ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ مرتبہ قریشی محمد عبداللہ صاحب:-

جامعۃ المبشرین میں مورخہ ۲۳ ستمبر کو مکرم صوفی مطیع الرحمن صاحب بنگالی ایم۔اے سابق مبلغ امریکہ نے مذکورہ عنوان پر تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ:-

کوایکرازم (Quakerism) عیسائیت کی ایک شاخ ہے۔ جو انگلینڈ میں عیسائیت کی تحریک احیاء کے وقت ۱۶۴۸ء میں منصۂ شہود میں آئی۔ ان لوگوں نے کلیسا سے اپنے تعلقات کو منقطع کر کے ایک علیحدہ سوسائٹی قائم کی جسکا نام جمعیۃ الاحباب (Friends Society) رکھا۔

اس سوسائٹی کا بانی جارج فوکس ۱۶۲۴ء میں انگلینڈ میں پیدا ہوا تھا۔ یہ ایک جولاہے کا بیٹا تھا جس نے انیس سال کی عمر میں جب عیسائیت کی برائیوں کو دیکھا تو اپنے آبائی مذہب سے متنفر ہو کر کچھ عرصہ سچائی کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ ۱۶۴۳ء میں اس پر سچائی کا انکشاف ہوا جس کا نام اس نے "Opening" یعنی انکشاف صداقت رکھا۔ آہستہ آہستہ لوگوں نے اُس کی طرف رجوع کرنا شروع کیا۔ جس پر ۱۶۴۸ء میں اُس نے اپنی ایک سوسائٹی قائم کی جو ۱۶۶۵ء میں Children of the Light یعنی "فرزندان نور" کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس سوسائٹی کے ابتدائی ناموں میں سے ایک نام Primitive Christianity Revolved یعنی "ابتدائی عیسائیت کا احیاء" بھی ہے۔ اور ایک مشہور نام Quakerism (کوایکرازم) بھی ہے۔ لفظ کوایکر (Quaker) کے معنے لرزہ کے ہیں۔ مسٹر فوکس کے کہنے کے مطابق جب اُس پر کشفی حالت طاری ہوتی تھی تو اُسے ایک قسم کا لرزہ شروع ہو جاتا تھا۔ اس لئے اور اسی بنا پر اس کے عقائد کا نام بھی Quakerism "کوایکرازم" پڑ گیا۔

اس سوسائٹی نے اپنے ابتدائی سالوں میں بہت ترقی کی اور انگلینڈ، آئرلینڈ اور یورپ کے شمالی حصوں میں بڑے منظم طریق سے اپنے جلسے منعقد کرنے شروع کئے جسے عیسائیت کے علمبردار برداشت نہ کر سکے اور ان لوگوں پر اپنے مظالم کی حد کر دی جس سے تنگ آ کر فوکس کے متبعین نے انگلینڈ اور دوسرے ممالک سے امریکہ میں ہجرت اختیار کر لی۔ انہی مہاجرین میں سے مسٹر ولیم پن نامی ایک شخص نے پنسلوانیا امریکہ میں رہائش اختیار کر لی اور وہاں اپنے عقائد کی زور شور سے تبلیغ شروع کر دی اور ایک مرکز قائم کر لیا۔

یہ لوگ اگرچہ دنیا کے مختلف حصوں میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان کی کل تعداد ۱،۶۰،۰۰۰ بیان کی جاتی ہے اور یہ تعداد اس سے زیادہ کبھی بڑھنے نہیں پائی۔

جارج فوکس کا خیال تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے دنیا میں اظہار معجزات کا صرف ایک آلہ ہے۔ آئندہ آنے والے واقعات بتانے کے متعلق اس کا خیال ہے کہ یہ انسانی دل اور دماغ کی مختلف کیفیات ہوتی ہیں جن کے ماتحت بعض اوقات انسان کوئی پیشگوئی کر دیتا ہے۔ وہ دل کے اندر پیدا ہونے والی باتوں کا نام الہام رکھتا ہے اور ایسے الہامات اُسے کئی جگہوں پر ہوئے ہیں۔

جارج فوکس کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کے اندر اس کے خالق نے نیکی اور روحانیت کا ایک مادہ رکھا ہے جس کا نام The Light within یعنی اندرونی نور ہدایت ہے اور یہی نور ہر شخص کی راہنمائی بغیر کسی توسط کے کر سکتا ہے۔

اس موقعہ پر مکرم صوفی صاحب نے ایک لطیفہ بھی بیان فرمایا کہ امریکہ میں اسی فرقہ کے لوگوں کے درمیان ایک دفعہ لیکچر دیتے ہوئے جب یہ بیان کیا گیا کہ ہر انسان کو اپنے خدا کے سا

ذاتی تعلق پیدا کرنا چاہیئے کیونکہ یہی تعلق حقیقت میں انسان کی روحانی تشنگی دور کرنے کا موجب ہے۔ تو اس پر یکلخت سارے کا سارا مجمع جو تقریباً پانچ ہزار حاضرین پر مشتمل تھا کھڑا ہو گیا اور شور مچا دیا کہ ہم بھی مسلمان ہیں ہم بھی مسلمان ہیں۔ مجھے ان کے اس طریق عمل پر سخت حیرانی ہوئی۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ بات چونکہ ان کے عقیدے کے عین مطابق کہی گئی تھی اس لئے انہوں نے اس سے اتفاق کرنے کا یہ اظہار کیا تھا۔

دوسری بات جس پر یہ لوگ زیادہ زور دیتے ہیں وہ مساوات ہے۔ یہ لوگ اسی لئے ہر چھوٹے بڑے کو کسی خاص القاب سے یاد نہیں کرتے بلکہ ہر شخص کو خواہ وہ امریکہ کا پریذیڈنٹ ہی کیوں نہ ہو تو کہہ کر ہی مخاطب ہوتے ہیں۔ گویا انگریزی لفظ مسٹر تو ان کی ڈکشنری میں ہے ہی نہیں۔

ان کی شادی کا طریق بھی عیسائیوں سے بالکل مختلف ہے یعنی دولہا اور دلہن ایک مجمع نکاح میں ایک دوسرے سے زن و شوہر کے تعلقات قائم رکھنے کا حلف اٹھاتے ہیں اور بس۔

ان کا طریق عبادت بالکل مراقبہ کے مترادف ہے جسے یہ نہایت خاموشی سے بجا لاتے ہیں۔

شراب نوشی، سگریٹ نوشی اور دیگر منشیات سے قطعی پرہیز کرتے ہیں۔ تعلیم پر زور دیتے ہیں۔ لباس اور طرز رہائش بالکل سادہ ہوتا ہے۔ جنگ کے قطعی خلاف ہیں۔ اسی وجہ سے انگلینڈ اور امریکہ میں یہ لوگ سپاہیانہ فرائض سرانجام دینے سے مستثنیٰ رکھے جاتے ہیں۔ البتہ خدمت خلق پر چونکہ یہ لوگ بہت زور دیتے ہیں اس لئے ایام جنگ میں اور ایسے ہی اور مواقع پر یہ لوگ اپنی خدمات زخمیوں کی مرہم پٹی۔ نرسنگ اور ہسپتالوں میں کام کرنے میں پورے جوش سے کام کرتے ہیں جس کیلئے یہ مشہور ہیں۔

مجالس کیلئے

ضروری اطلاع

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے دو انسپکٹر صاحبان چوہدری بدر سلطان صاحب اختر اور مولوی عنایت اللہ صاحب مجالس کے دورہ پر بھجوائے جاتے رہتے ہیں۔ انکے پاس مرکزی نائب صدر صاحب کا دستخطی تعارفنامہ موجود ہوتا ہے اور مرکزی رسید بک بھی انکے پاس ہوتی ہے۔ مرکز کی طرف سے انہیں مجالس کے حسابات کی پڑتال اور فراہمی چندہ جات کے لئے بھیجا جاتا ہے۔

جملہ مجالس خدام الاحمدیہ کو ان کے ساتھ پورا تعاون کرنا چاہیئے

معتمد خدام الاحمدیہ مرکزیہ

ہم جو خادمِ احمدیت ہیں ہمارے پیچھے اسلام کا چہرہ ہے

(الفضل ۱۰ اپریل ۱۹۳۸ء)

ربوہ
ایک امریکن نومسلم کی نظر میں

: از حسن عبدالشکور ریش :

حسن عبدالشکور ریش پہلے سفید فام امریکن نومسلم ہیں جو ربوہ میں دینی تعلیم کی غرض سے پاکستان تشریف لائے۔ آپ ابھی فوج میں ہی ملازم تھے کہ مبلغ اسلام چودھری خلیل احمد صاحب ناصر کے ذریعہ ان کو دعوت اسلام ملی۔ فطرت سعید تھی۔ تحقیق شروع کی۔ سچائی کو جلد ہی پہچان گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ فوج سے فارغ ہوتے ہی حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں دینی تعلیم کے حصول کے لئے ربوہ آنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ درخواست منظور ہونے پر ۲۲ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو امریکہ سے روانہ ہو کر ۲۷ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ربوہ میں انہوں نے کیا دیکھا اور یہاں اہل ربوہ نے ان پر کیا اثر ڈالا۔ نیچے کے کالموں میں ملاحظہ فرمائیں ——— حسن محمد خان عارف

اپنے وطن سے ۲۲ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو روانہ ہو کر میں ۲۴ر دسمبر کو کراچی پہنچا۔ راستے میں ایمسٹرڈم کے مقام پر ۱۶ گھنٹے مجھے قیام کرنا پڑا۔ جہاں برادران مولوی غلام احمد صاحب بشیر اور مولوی ابوبکر ایوب صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ہوائی اڈہ سے جب ہم اپنے مشن ہاؤس ہیگ پہنچے تو دوسرے ڈچ احمدیوں سے بھی ملنے کا موقعہ ملا۔ میں ہالینڈ کو جلد چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن ربوہ پہنچنے اور جلسہ سالانہ میں شمولیت کی خواہش کے پیش نظر میں زیادہ دیر وہاں قیام نہ کر سکا۔

میں کراچی پہنچا۔ یہاں آکر مجھے پتہ چلا کہ اکثر احباب جلسہ کے لئے ربوہ جا چکے ہیں۔ میں خود بھی ربوہ جلد سے جلد پہنچنا چاہتا تھا لیکن گاڑی کی ریزرویشن کی وجہ سے دو دن مجبوراً رکنا پڑ گیا۔

آخر ۲۷ر دسمبر کو میں ربوہ پہنچا۔ گرد و غبار کا یہ لمبا راستہ میرے جوش اشتیاق کی وجہ سے مجھے ذرا بھی محسوس نہ ہوا۔ میں ربوہ پہنچ گیا۔ میری خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ اب میں ایک اسلامی ملک میں تھا۔ مجھے تو اب فضا ہی مختلف نظر آنے لگی۔

لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ اس اسلامی ملک کی فضا چند ہی ماہ میں جلتے ہوئے مکانوں کے دھوئیں اور مذہبی دیوانوں کے وحشیانہ نعروں سے گھٹ کر رہ جائیگی۔

مشتاق احمد صاحب باجوہ ان دنوں وکیل التبشیر تھے وہ مجھے ربوہ اسٹیشن پر لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ پہلے میں نے اُن کے ساتھ جاکر کچھ ناشتہ کیا۔ اس کے بعد ہم ایک جلسہ میں شامل ہوئے جس کی صدارت چوہدری صاحب موصوف ہی نے کی تھی۔ سفر کی تھکان سے میں چور تھا لیکن اس جلسہ کا مجھے خوب لطف آیا۔ دنیا کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے طلبا صداقت احمدیت پر تقریریں کر رہے تھے مگر جب رشید احمد صاحب نے جو پہلے امریکن واقف زندگی ہیں کھڑے ہو کر اردو میں تقریر کی تو میں [illegible] اپنے جامہ میں پھولا نہ سمایا۔ آخر مجھے بھی چند الفاظ کہنے کا موقعہ ملا۔ اور اس جلسہ کے بعد مجھے آرام کرنے کی اجازت مل گئی اور میں اپنی قیام گاہ چلا گیا۔

اگلی صبح میں ورطۂ حیرت میں تھا۔ میں نے لوگوں کے ایک

بے پناہ ہجوم کو اس چھوٹے سے شہر میں اکٹھے ہوتے دیکھا۔ اُس دن کے جلسہ میں مجھے بھی تقریر کے لئے کچھ وقت دیا گیا۔ میں نے انگریزی میں تقریر کی جس کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا۔

اُس شام میں نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کو تقریر کرتے ہوئے سُنا۔ آپ نے اڑھائی گھنٹہ تک مسلسل تقریر فرمائی۔ اردو میں نہ جانتا تھا۔ اس لئے اس تقریر کا ایک لفظ تک نہ سمجھ سکا لیکن میرا احساس یہ تھا کہ میں نے ہر لفظ سمجھ لیا ہے۔ سامعین آپ کی نرم حسین آواز سے مبہوت ہو کر بُت بنے سُن رہے تھے۔ ہزارہا سامعین کے باوجود جلسہ میں ہُو کا عالم تھا۔ سکوتِ محفل اللہ اکبر کے نعروں سے ہی ٹوٹتا تھا۔ اس نظارہ نے مجھ پر گہرا اثر کیا۔ لیکن آخر میں میں نے جو نظارہ دیکھا اُسے جیتے جی نہ بھول سکوں گا۔

یہ جلسہ کی الوداعی دُعا تھی۔

یہ دعا شروع ہوئی۔ پہلے پہل محفل میں اِکّے دُکّے کی سسکیاں سُنائی دیں مگر کچھ ہی دیر میں ہر شخص زار و قطار رو رہا تھا۔ کیا بچّہ اور کیا بوڑھا۔ مرد بھی اور عورتیں بھی دیوارِ گریہ بن چکے تھے۔ ایسے آنسو زندگی بھر نہ دیکھے تھے۔ یہ مایوسی نہ تھی اور نہ ہی فرطِ انبساط۔ یہ کچھ ایسی صدائیں تھیں گویا کہ شب کو نسیم سمندر پر سے سرسراتی گذر رہی ہو۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میری رُوح میرا سینہ چیر کر باہر آجائیگی تاکہ وہ اس خاکی قفس سے آزاد ہو کر اپنے خالق کی منتظر گود میں جا گرے۔

جلسہ ختم ہوا اور اس کے باقیماندہ انتظامات سے فراغت ہوئی تو مجھے حضرت اقدس کے ساتھ پہلی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے مجھے نصیحت فرمائی کہ میں سب سے پہلے ملکی حالات اور آب و ہوا سے مانوس ہونے کی کوشش کروں۔ یہاں کا لباس اور آداب و اطوار اختیار کروں تاکہ یہاں کے قیام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکوں۔

تیاری مبلغین کے کالج جامعۃ المبشرین میں داخلہ کے لئے مجھے کچھ انتظار کرنا پڑا۔ جامعہ میں اساتذہ کچھ کم ہو گئے تھے اور جب مجھے داخلہ ملا تو سب سے زیادہ زور اردو پر دیا گیا۔ کیونکہ جب تک یہ زبان نہ سیکھوں دیگر کتب اور حضرت اقدس کے خطبات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اردو کے ساتھ ساتھ میں نے تاریخ اسلام تاریخ احمدیت۔ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ قرآن اور حدیث کا مطالعہ بھی شروع کیا۔ اس وقت اس جامعہ میں دنیا کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے ۲۵ طلباء تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

یہ فضا حقیقی معنوں میں اسلامی برادری معلوم ہوتی تھی۔

میری تعلیم فروری کے آخر تک باقاعدگی کے ساتھ جاری رہی جبکہ پنجاب میں احمدیوں کے خلاف نفرت اور حقارت کا طوفان برپا ہو گیا۔ بعض خود غرضوں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ملاؤں کو آلۂ کار بنایا اور سادہ عوام کو اسقدر برانگیختہ کیا کہ وہ جنگل کے درندے بن گئے۔ ابتدا میں تو احمدی ہی نشانہ بدف تھے لیکن ان چالاک لوگوں نے اپنے دائرۂ عمل کو وسیع کر کے ہر شریف آدمی کی پگڑی اُچھال دی۔

احمدیوں نے اپنی دکانیں لٹتی ہوئی دیکھیں۔ بے گناہ عورتیں اور بچے بے دردی کے ساتھ ذبح کئے گئے اور یہ سب کچھ چند لوگوں کی ہوسِ اقتدار کی وجہ سے ہوا۔ ان پڑھ اور جاہل عوام کے پاس تو شاید اپنی بے گناہی کا کوئی عذر ہو لیکن آنے والی نسلیں ان تعلیمیافتہ اور پڑھے لکھے جنّوں کو کبھی معاف نہ کریں گی جن کے ہاتھوں پر تو شاید کوئی خون نہ لگا ہو لیکن ان کی رُوحیں ان سب لوگوں کے خون سے لتھڑی پڑی ہیں جو بے گناہ اس ہنگامہ میں مارے گئے۔

اپریل چڑھ چکا تھا۔ موسم گرم ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے کھانا ہضم نہ ہوتا تھا اور میں گرمی سے بے حال ہو جا رہا تھا۔ میرے لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ میں کسی سرد مقام پر چلا جاؤں اور میں رمضان سے قبل ہی اپنے استاد کے ساتھ کوئٹہ چلا گیا۔ جو ربوہ سے تقریبًا تین سو میل دُور ہے۔ میں یہاں پر تقریبًا پانچ ماہ رہا اور خدا کے فضل سے ایک بار پھر میری صحت بہتر ہو گئی۔

اوائل اکتوبر میں واپس ربوہ آیا۔ پڑھائی شروع ہو گئی۔ اِس ماہ کے آخر میں خدام الاحمدیہ کا سالانہ اجتماع ہوا جس میں سارے ملک کے نوجوان شامل ہوئے جو دورانِ اجتماع میں خیموں میں رہے۔ مختلف قسم کے مقابلے اور کھیلیں ہوئیں مجلسیں اور تقریریں ہوئیں۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک تقریر فرمائی۔

جلسہ سالانہ پھر آیا۔ ہم سب اس کے انتظامات میں شریک ہو گئے۔ ربوہ کا ہر شخص اس عظیم کام میں شریک ہوتا ہے۔ پانچ ہزار افراد پر مشتمل یہ چھوٹا سا شہر تیس ہزار مہمانوں کا استقبال اور سب

انتظام کرتا ہے۔

ایک بار پھر حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ کی رُوح پرور تقاریر سے مجھ میں زندگی کی لہر آئی۔ آپ کی آخری تقریر ایک شاہکار تھی میں اردو سمجھنے کے قابل ہو چکا تھا اور آپ کی تقریر سے میں بہت لطف اندوز ہوا۔

رات کے اجلاسوں میں مجھے بھی بولنے کا موقعہ دیا گیا۔ میں نے بھی اردو میں تقریر کی۔ میری زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا اور یہ میرے لئے ایک سنگِ میل کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

جلسہ ختم ہوا۔ سکول کھل گئے۔ زندگی معمول پر آگئی۔ یہاں تک کہ ۱۰ ؍مارچ آگیا۔ تاریخ میں یہ دن ایک عظیم سانحہ کے ساتھ یاد رہیگا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ عصر کی نماز کے لئے تشریف لائے جب آپ نماز کے بعد واپس جانے لگے تو مسجد سے باہر اپنی جوتی پہننے کے لئے جھکے تو ایک نوجوان نے بڑھ کر آپ پر تیز چاقو کا ایک بھرپور وار کیا۔ قبل اس کے کہ مبہوت حاضرین اس کو پکڑتے وہ اپنا وار کر چکا تھا۔ حضور کے محافظوں نے اُسے قابو کر لیا اور پولیس کے حوالہ

اس گہرے زخم کے بعد آپ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کے ایک صاحبزادے نے جو ربوہ کے ہسپتال میں ڈاکٹر ہے فوراً آکر زخم کو سی کر مرہم پٹی کر دی۔ کافی رات گئے لاہور سے ایک ماہر ڈاکٹر آیا۔ اُس نے زخم دوبارہ کھولا اور اس کی مناسب دیکھ بھال کر کے پٹی کر دی۔

اس حادثہ کا دھکا ساری دنیا کے احمدیوں نے شدت سے محسوس کیا۔ اور دنیا کے ہر گوشہ سے تاریں آئیں۔ اب اس وقت حضور کا زخم مندمل ہو چکا ہے اور آپ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ اور انشاء اللہ آپ جلد ہی مکمل صحت یاب ہو جائیں گے۔

اس سال گرمی کچھ پہلے شروع ہو گئی۔ رمضان کے ابتدائی ایام میں موسم خاصہ خوشگوار رہا۔ لیکن دوسرے ہفتہ میں پارہ ۱۱۵ درجے پر پہنچ گیا۔ اس جھلسنے والی گرمی کے باوجود اکثر لوگ روزے رکھ رہے تھے۔ اسی اثناء میں یہ اطلاع ملی کہ برادرم خلیل احمد صاحب ناصر مئی کے وسط میں ربوہ تشریف لا رہے ہیں۔ میری درخواست پر مجھے انکے ساتھ ہی واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ اور میں واپسی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

۱۳؍جون کو ہم ربوہ سے روانہ ہوئے۔ جانے سے قبل ربوہ میں بجلی آچکی تھی جس کی وجہ سے جس کی وجہ سے ہمارے اس مرکز روحانی کی زندگی کچھ سہل ہو گئی ہے۔

میں پاکستان تقریباً ڈیڑھ سال رہا۔ اگرچہ مجھے یہاں بعض جسمانی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں لیکن مجھے اس ملک سے محبت ہو گئی۔ اور یہ ملک چھوڑتے ہوئے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ بلکہ مجھے اپنا ملک چھوڑتے ہوئے اتنی تکلیف نہ ہوئی تھی جتنی کہ پاکستان۔ میں یہاں اپنے احمدی بھائیوں کے ساتھ ڈیڑھ سال رہا۔ انکی قربانیوں اور تکلیفوں کو بچشم خود دیکھا اور پھر مجھے اندازہ ہوا کہ ہم امریکن احمدیوں پر ان کا کتنا بڑا احسان ہے۔

میں نے ان کی بشاشت اور طمانیت کو دیکھا۔ ان کا عزم، اور ان کے ارادے دیکھے۔ اُن کا ایمان اور ان کا اخلاص بھی دیکھا اور یہ سب کچھ دیکھ کر اسلام کی دائمی صداقت پر میرا ایمان چٹان کی طرح مضبوط ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت پر میرا یقین محکم ہو گیا۔

مسیح آگیا! اور

بے خوف ہو کر اعلان کر دو کہ مسیح آگیا۔

شک کرنے والوں کو کہو کہ ربوہ جا کر بچشم خود دیکھ لو۔ وہاں جا کر اُن کا شک یقین میں بدل جائیگا اور تنقید مدح ہو جائیگی۔

"نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی حالت کو سُدھارنے اور دین کی خدمت کیلئے تقویٰ اور سعی سے کام لینے کی طرف توجہ کریں اور اگر آج کوئی جماعت اسے قائم نہ کرے تو تھوڑے عرصہ میں کوئی اسکا نام لیوا بھی باقی نہ رہیگا۔"

(الفضل ۱۳ ؍اپریل ۱۹۳۹ء)

ارشاداتِ عالیہ

مرتبہ: سلطان احمد پیر کوٹی واقف زندگی

علوم ظاہری اور باطنی سے پُر مسیح پاک کے نظیر ہمارے پیارے امام ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کی زمام قیادت سنبھالتے وقت "نونہالان جماعت مجھے کچھ کہنا ہے" کے بعد لائحہ عمل اور طریق کار ہمارے سامنے رکھا۔ اور خطبات، تقاریر اور دیگر تصنیفات کے ذریعہ اس پروگرام کی وضاحت فرماتے رہے۔

حسن و احسان میں مسیح دوراں کا نظیر ہزاروں سال کے مدفون خزائن لُٹا رہا ہے۔ ہم نے آپ کے لئے حضور انور کے ان ارشادات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ آئندہ انشاء اللہ اس سلسلہ کو جاری رکھا جائیگا۔ ان ارشادات کے ماخذ حضور کی تصانیف، خطبات اور تقاریر ہیں۔ اس مختصر گذارش کے ساتھ یہ انمول مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید

۱۔ آج اگر کل کی فکر کروگے تو کل کا فکر کم ہوجائیگا۔
۲۔ ذلیل وہی ہے جو خدا کی نظر میں ذلیل ہو۔
۳۔ ہر ایک انسان میں کچھ نہ کچھ خوبی ضرور ہوتی ہے۔
۴۔ کھانے پینے میں اسراف اور تکلف سے کام نہ لیں۔
۵۔ ہمیشہ کلام نرم کریں اور بات ٹھہر ٹھہر کر کریں۔
۶۔ تہجد ایک بہت بڑا ہتھیار ہے۔
۷۔ جو شخص عادل نہیں وہ مومن نہیں کہلا سکتا۔
۸۔ جو اعلیٰ چیز سے تعلق رکھتا ہے وہ خود بھی اعلیٰ ہو جاتا ہے
۹۔ مہمان کی سختی برداشت کرنا بھی ثواب کی بات ہے
۱۰۔ سچا غم ظاہری مصائب سے بہت سخت ہوتا ہے
۱۱۔ جو ہمسائیوں پر رحم نہیں کرتا اُس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔
۱۲۔ انسان جس قسم کا ہو اُس قسم کی باتیں کرتا ہے۔
۱۳۔ انسان کو جس سے محبت ہو اسی کا ذکر کرتا ہے۔
۱۴۔ ایمان ایک دعویٰ ہے اس کے ساتھ عمل بھی چاہیئے۔
۱۵۔ جو لوگ خدا کے پیارے ہیں وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتے۔
۱۶۔ مومن خدا کی اطاعت طوعاً کرتے ہیں اور کافر کرہاً۔
۱۷۔ مومن کبھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہو سکتا۔
۱۸۔ نبی دنیا کے قلوب میں تغیر پیدا کرنے کیلئے آتے ہیں۔
۱۹۔ انبیاء ہمیشہ کلام میں دوسروں کا ادب و احترام کرتے ہیں
۲۰۔ انبیاء کا وجود صفاتِ الٰہیہ کا ثبوت ہوتا ہے۔
۲۱۔ ایک منٹ میں کفر کا کلمہ بولنے سے ساری عمر کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے!
۲۲۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہوسکتا جس کوئی بھی سقم اور کمزوری نہ ہو
۲۳۔ بعض دفعہ چھوٹی سی بات بڑے ثواب کا موجب بن جایا کرتی ہے
۲۴۔ جو چیز ڈھونڈنے اور کوشش کرنے سے ملتی ہے وہ زیادہ پیاری ہوتی ہے۔
۲۵۔ انسان اپنے پیارے کا نام کسی نہ کسی بہانے سے ضرور سُننا چاہتا ہے۔
۲۶۔ جو مومن ہونیکا مدعی ہے۔ مگر عمل مومن والے نہیں کرتا ...... وہ پاگل ہے۔
۲۷۔ تقویٰ وہ دولتِ لازوال ہے جو ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ بڑھتی ہے۔
۲۸۔ تقویٰ ہی وہ تریاق ہے جس کے سبب انسان تمام قسم کے زہروں سے محفوظ رہتا ہے۔
۲۹۔ اگر تمہیں اپنے وطن اور گھر خدا سے زیادہ پیارے ہیں۔ تو تم ابھی مومن نہیں ہو۔
۳۰۔ نبیوں کے بغیر مذہبی دنیا میں جو حقیقی احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔
۳۱۔ مومن بڑے سے بڑا کام کرکے بھی متکبر نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے کاموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔

ظہورِ احمدِ موعودؑ

سنہ ۱۲۹۰ھ

مژدہ باد اخوان ظہورِ احمدؑ موعود شد
از زمینِ شرق طالع شد بہ عالم آفتاب
احمدؑ موعود آورد از ثریّا بر زمیں
آں مسیحا را کہ بودی منتظر از آسماں
فوت شد عیسےٰ نبی باشد جملہ انبیاء
تو ہمے گفتی کہ عیسےٰ آید از قومِ یہود
احمدؑ یا مظہرِ حضرت محمدؐ مصطفےٰ است
بُد محمدؐ خاتمِ پیغمبراں لاریب فیہ
آنچہ فیضِ عام بُد قبل از محمدؐ بالیقیں
مولوی در انتظارِ صحبتِ دجال شد
گر نہ بُد احمد نبی اللہ بگو آخر چرا
شد نبوت تا ابد مفتوح در خیر الامم
احمدِ موعود چوں مرفوع شد سوئے خدا
مومن احمد بہ نزدِ ذاتِ حق عزّت بیافت
تو مشو ابلیس سرکش نے بگو خیرٌ انا
ہر کہ خاک افگند سوئے مہرِ تاباں در فلک
ہر کہ خواہد نیست گرداند وجودِ انبیاء
ہر نبی غالب شد و مغلوب گشتند منکراں
احمدیّت چیست؟ اصلاحِ مسلماناں دہر
حسن پیدا کن بخودِ اصلاحِ خلق اللہ کن

بر سرِ ایں صد نزولِ عیسیٰ مشہود شد
تا زمینِ غرب انوارش ببیں ممدود شد
نورِ ایماں۔ کو ز قلبِ مسلمے مفقود شد
حسبِ منشائے خدا در قادیاں موجود شد
واردِ کشمیر شد در روضہ بل مورود شد
لیکن آں موعود اندر مومناں مولود شد
جمع اندر ذاتِ اکملش شاہد مشہود شد
تو مگو بابِ نبوت بعد اُو مسدود شد
بعد اُو ہر نعمتے در اُمتش محدود شد
در نگاہے مومنے دجال و خر مردود شد
در لباسِ انبیاء در ایں زماں مقصود شد
بر درِ قربِ خدا بر کافراں مسدود شد
جانشینِ اُو بر جماعت حضرتِ محمود شد
گرچہ نزدِ منکرانش مومنش مطرود شد
کن عمل بہ اسجدوا آدم ترا مسجود شد
آں ہمہ بے سود گشت و اوش خاک آلود شد
کوششِ بیکار گشت و خویشتن نابود شد
بیں چہ انجامِ بد فرعون شد نمرود شد
احمدی را خدمتِ خلقِ خدا مقصود شد
حسن و احساں ہر کہ دارد در جہاں مودود شد

یوسفِ محزوں ز یمنِ صحبتِ احمد نبیؑ
خاک بود و گشت زر چوں قسمتش مسعود شد

(رقیمہ قاضی محمد یوسف فاروقی احمدی قاضی خیل ہوتی مردان۔ ضلع مردان صوبہ سرحد)

اللہ تعالیٰ نور عطا فرما!

آنحضرت صلعم (فداہ اُمی وابی) کی ایک دُعاء

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِيْ نُوْرًا فِيْ قَلْبِيْ وَنُوْرًا فِيْ قَبْرِيْ وَنُوْرًا مِّنْ

اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا کر دے اور نور میری قبر میں اور نور میرے

بَيْنِ يَدَيَّ وَنُوْرًا مِّنْ خَلْفِيْ وَنُوْرًا عَنْ يَمِيْنِيْ وَنُوْرًا

سامنے اور نور میرے پیچھے اور نور میرے دائیں اور نور

عَنْ شِمَالِيْ وَنُوْرًا مِّنْ فَوْقِيْ وَنُوْرًا مِّنْ تَحْتِيْ وَنُوْرًا

میرے بائیں اور نور میرے اوپر اور نور میرے نیچے اور نور

فِيْ سَمْعِيْ وَنُوْرًا فِيْ بَصَرِيْ وَنُوْرًا فِيْ شَعْرِيْ

میرے کانوں میں اور نور میری آنکھوں میں اور نور میرے بالوں میں

وَنُوْرًا فِيْ بَشَرِيْ وَنُوْرًا فِيْ لَحْمِيْ وَنُوْرًا فِيْ دَمِيْ

اور نور میری جلد میں اور نور میرے گوشت میں اور نور میرے خون میں

وَنُوْرًا فِيْ عِظَامِيْ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا وَ

اور نور میری ہڈیوں میں اے اللہ میرے لئے نور کو بڑا کر دے اور

اَعْطِنِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِيْ نُوْرًا

مجھے نور دے اور میرے لئے نور پیدا کر دے

(مہتمم تربیت واصلاح مرکزیہ)

احمدیت کا نفوذ اور اسکی چند مثالیں

میں نے احمدیت کو کیونکر قبول کیا؟

راقم الحروف سید سخاوت شاہ گیلانی ساکن بفہ تحصیل مانسہرہ
ضلع ہزارہ کا رہنے والا ہے۔ ہمارے قصبہ بفہ میں اکثر صوانی
قوم آباد ہے اور چند گھر حضرت سید عبد القادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ
کی اولاد کے بھی ہیں۔ جن میں سے ایک گھر ہمارا ہے۔ اور ہم گیلانی
سادات ہیں۔ اسی گاؤں میں بلکہ ہمارے محلہ میں ہی استاذی
مولوی غلام غوث صاحب بھی رہتے ہیں۔ جو ہمارے محلہ کی مسجد
کے امام الصلوٰۃ ہیں۔ میرے استاد ہیں۔ صوبہ سرحد کی مجلس
احرار کے صدر اور آل پاکستان مجلس احرار کے نائب صدر ہیں
بسبب رشتہ استادی و شاگردی میرے خیالات بھی بچپن
سے استاذی مولوی غلام غوث صاحب ہی کے خیالات کا نتیجہ
اور عکس ہوتے تھے۔ لہٰذا میں بچپن ہی میں نو عمر احراری بچوں
کا لیڈر تھا۔ اور میرے حسن کارکردگی کی وجہ سے ان لڑکوں نے
مجھے اپنے جیش احرار کا کمانڈر مقرر کیا تھا۔ ایک موقع پر جیش
احرار کی پریڈ کرانے اور دکھانے پر محترم مولوی غلام غوث
صاحب نے ایک کمربند بطور انعام عطا فرمایا تھا۔ جو آج تک
میرے پاس بطور یادگار موجود ہے۔

بچپن ہی میں میرے کان میں یہ آواز پڑی۔ جماعت احمدیہ
جس کو مخالف مرزائی یا قادیانی کے غلط نام سے موسوم کرتے
ہیں کے امام حضرت احمد قادیانی علیہ السلام کو ان کے پیرو
نبی مانتے ہیں۔ اور جماعت احمدیہ کے مخالف کہتے تھے کہ مرزائیوں
(احمدیوں) کا کلمہ۔ نماز۔ قبلہ اور مذہب اسلام سے جدا ہیں۔
یہ ایک فطرتی بات ہے کہ ایک مسلمان ان باتوں کو سنکر ناراض
ہو اور اس کو رنج پہنچے۔ مگر میں دل میں کہتا تھا۔ کہ پھر یہ لوگ
اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ مجھے احمدیت
کے بارہ میں اور کوئی علم حاصل نہ تھا۔ کیونکہ ان دنوں مجلس
احرار کا شغل حکومت الٰہیہ زندہ باد کے نعروں تک محدود تھا
انگریزوں کے خلاف ہندو کانگریس کے ساتھی تھے جب

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء میں ہندوستان الگ اور پاکستان الگ
ممالک بن گئے۔ تو مجلس احرار کے حرکات میں جمود واقع ہوگیا۔
کچھ تھوڑا عرصہ مجلس احرار خاموش رہی مگر دوبارہ ایک
نئے روپ میں "تحفظ ختم نبوت" کا لیبل لگا کر بھیس میدان میں
نکل آئی۔ اور احمدیت کے خلاف آواز بلند کی اور جلوس نکالنے
اور جلسے کرنے شروع کر دیے۔ احمدیت کا ذکر اور احمدیوں
کا نام تو میں نے سرسری طور پر پہلے سنا ہوا تھا۔ مگر مجھے
احمدیت کی اصلیت اور حقیقت سے کوئی واقفیت نہ تھی۔
اور نہ ہی بفہ میں مجھے کوئی موقع تھا۔ کہ واقفیت حاصل کرتا
پس اسی عدم علم کی حالت میں "آنچہ استاد ازل گفت
ہماں می گفتم" میں بہ تقلید استاذی مولوی غلام غوث صاحب
احمدیت کے خلاف جو سنتا تھا کہدیا کرتا تھا۔

ورود منگلور

خاکسار نے جب میٹرک پاس کر لیا تو محکمہ تعلیم کی منظوری
سے خاکسار موضع منگلور تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ کے لوئر
مڈل سکول میں انگلش ماسٹر مقرر ہوا۔ اس گاؤں میں صوفی
رحمت اللہ صاحب نامی ایک احمدی بزرگ دکان کرتے تھے
اور اب بھی کرتے ہیں۔ میں بدوران قیام منگلور ان سے سودا
سلف خریدا کرتا تھا۔ یہ شخص ایک فرشتہ سیرت انسان تھا
اور بڑا خوش اخلاق اور متواضع تھا۔ میں بوقت فرصت
اکثر ان کے پاس بیٹھا کرتا تھا وہ بڑی نرمی اور خوش کلامی
سے مجھے احمدیت کے بارہ میں تبلیغ کیا کرتے تھے۔ میں اکثر
لاپرواہی سے ان کی گفتگو سنا کرتا تھا۔ اور فخریہ کہدیا کرتا
تھا کہ میں مولوی غلام غوث صاحب کا شاگرد ہوں۔ آپ مجھے
احمدی نہیں بنا سکیں گے۔ چونکہ صوفی صاحب کی میرے دل
میں بڑی عزت تھی اور میں ان کی بڑی عزت کیا کرتا تھا۔
اور عمدہ اخلاق سے پیش آیا کرتا تھا۔ اس لئے میں نے انکو

کبھی قادیانی یا مرزائی کے نام سے یاد نہیں کیا تھا۔ وہ اپنا فرض تبلیغ ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرتے۔ مگر میں نے کبھی گوش ہوش سے ان کی باتیں نہ سنیں۔ اور احمدیت سے یہ نفرت اپنے استاد کے اثر کی وجہ سے تھی۔ صوفی صاحب میری اس بے اعتنائی کو بھانپ کر فرماتے کہ ہم تو اپنا فرض ادا کرتے ہیں خواہ آپ سنیں یا نہ سنیں۔ اور مانیں یا نہ مانیں کبھی کبھی وہ مجھے کوئی کتاب بھی احمدیت کے بارہ میں دیا کرتے تھے۔ مگر میں اس کو بن پڑھے واپس کر دیا کرتا تھا۔

ایک رویاء

ان ہی ایام میں خاکسار نے ایک رویاء (خواب) دیکھی جس میں کیا دیکھتا ہوں کہ کاغذ کا ایک قطعہ ہے اور اس پر دو نقشے دیے ہیں۔ وہ دو بزرگ انسانوں کی صورتیں تھیں۔ جن کی شکل وصورت بظاہر آپس میں ملتی جلتی نظر آتی تھی۔ ایک بزرگ تصویر میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آتے اور دوسرے بزرگ کھڑے تھے۔ جو بزرگ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اوپر لفظ "محمدؐ" لکھا ہوا تھا۔ گویا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھے اور دوسرے بزرگ جو کھڑے تھے اس کے نیچے لفظ "مہدی" لکھا ہوا تھا۔

صبح اٹھنے پر جب صوفی صاحب سے ملاقات کی۔ اور ان سے اس رویاء کا ذکر کیا۔ تو صوفی صاحب نے حضرت احمد قادیانی علیہ السلام کی تصویر مبارک لاکر دکھائی۔ میں خدا تعالیٰ کے مبارک نام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس بزرگ کو میں نے کھڑے حالت میں خواب میں دیکھا تھا اس کی شکل اور یہ تصویر ایک ہی شخص کی نظر آتی۔ مگر افسوس ہے کہ میں نے اپنے ذاتی تعصب کی وجہ سے اس رویاء کو کوئی وقعت نہ دی اور اس کو شیطانی خواب قرار دیا۔ حالانکہ حدیث نبوی صلعم میں وارد ہے کہ شیطان کبھی بھی کسی نبی بالخصوص حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شکل پر متمثل نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں نے اس کے بعد محترم صوفی صاحب کی دکان پر جانا چھوڑ دیا کہ کہیں گمراہ نہ ہو جاؤں

نزول بمقام پشاور:۔ جب میں منگلور سکول کی مدرسی سے فارغ ہو کر پشاور آگیا۔ تو بدوران قیام پشاور میں دار المطالعہ ہر روز بغرض مطالعہ اخبارات جایا کرتا تھا۔ مگر وہاں اکثر اخبار "آزاد" لاہور۔ اخبار "زمیندار" لاہور اور "حکومت" کراچی مطالعہ کرتا تھا۔ جن کا مقصدِ اشاعت صرف احمدیت کی مخالفت تھی اور میں بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ جو کچھ پڑھ کر جاتا تھا اس کی تبلیغ اپنے دوستوں میں کرتا تھا۔ کہ احمدی یہ کہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں۔ جب کبھی پشاور میں مجلس احرار نے کوئی جلسہ کیا۔ تو بندہ وہاں حاضر ہوتا۔ اور جو وہ مقرر کہا کرتے میں سنا کرتا تھا۔ نیز کبھی کبھی احرار کے دفتر میں بھی حاضری دیا کرتا تھا۔

میری جدّوجہد

میرے ایک دوست نے جس کا کوئی رشتہ دار ماریشس میں تھا۔ مجھے کہا کہ جماعت احمدیہ اس جزیرہ میں تبلیغ احمدیت کرتی ہے اور وہاں بہت سے لوگ احمدی ہو گئے ہیں۔ میں سنکر برداشت نہ کر سکا تب میں کبھی خود اخبار آزاد کا پرچہ خریدتا کبھی وہ دوست خرید دیتا۔ اور میں ماریشس بھیجا کرتا۔ تاکہ وہاں احمدیت کی تبلیغ کا سد باب ہو۔ گویا احمدیت کی اشاعت کو روکنے کا ایک جنون سا تھا۔ پشاور میں مجلس احرار کے کارکن اگر کوئی ٹریکٹ احمدیت کے خلاف شائع کرتے تو میں اس کی تقسیم میں سرگرم رہتا تھا۔ میں نے اس دوران میں چند افراد اور بھی اپنے ہم خیال یعنی احراری خیال کے بنائے۔ اور بعض نے باقاعدہ چندہ دینے پر آمادگی کا اظہار بھی کیا تھا۔

شوقِ تحقیق

اچانک میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک جماعت کے خلاف بلا تحقیقات مخالفت کی جاوے۔ اور اندھا دھند اس کے خلاف حصہ لیا جاوے۔ حق تو یہ ہے کہ ہم خود بھی احمدیت کی کتب مطالعہ کر کے دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا دلائل پیش کرتے ہیں۔ پس بدیں غرض خاکسار نے احمدیت کی کتب کی تلاش

کرنا شروع کر دی۔ اور اس غرض سے کسی احمدی کی جستجو کی جس سے
میں کتب احمدیت حاصل کروں۔ اور اس سے معلومات حاصل کروں
آخر ایک ہم وطن کلرک ملا۔ میں نے ایک دن اس سے ذکر کیا۔ کہ
مجھے حضرت احمد قادیانی علیہ السلام کی کوئی کتاب دیں تاکہ میں اس
کو مطالعہ کروں۔ اس نے مجھے کہا۔ کہ میرے ساتھ مسجد احمدیہ پشاور
میں چلو وہاں کی دار الکتب سے مناسب لیکر آ دینگے۔ اس تقریب
پر ہم دونوں مسجد احمدیہ سول کوارٹرز پشاور میں گئے۔ اور
جماعت احمدیہ کے مبلغ مولوی مرزا محمد لطیف صاحب اکبر سے
ملاقات ہوئی۔ میں نے بدو زبانِ گفتگو ان سے چند سوالات
دریافت کئے اور انہوں نے از راہِ کرم جوابات دیئے اور
بہت عمدہ طریق پر اور اچھے پیرایہ میں دیئے۔ مگر میں نے
چنداں توجہ نہ کی۔ کیونکہ میرا اس وقت صرف اس قدر خیال تھا
کہ میں اخبار آزاد اور اخبار زمیندار اور اخبار حکومت کے
ان حوالہ جات کی تحقیق کروں جو انہوں نے حضرت احمد قادیانی
کی کتب سے دیئے ہیں۔ کہ کہاں تک وہ درست ہیں اور کیا اصل
کتاب میں مصنف کا وہی مقصد ہے جو یہ معترض پیش کرتے
ہیں۔ یا ان میں کوئی رد و بدل یا تحریف ہے۔

مسجد احمدیہ میں میں پہلی دفعہ ۲۲ اگست ۱۹۵۲ء کو بروز
جمعۃ المبارک گیا تھا۔ اور وہاں سے سر دست دو ٹریکٹ لایا۔
"احمدیت کا پیغام" اور "اہل اسلام کس طرح ترقی کر سکتے ہیں"
اسی دن ملک شام کے شہر دمشق کا باشندہ ایک عرب نوجوان
مسمی السلیم الحجابی سے ملاقات ہوئی۔ جو بعض رویاء و کشوف
کے بناء پر دمشق میں داخلِ احمدیت ہوا تھا۔ اور وہاں سے
بغرض حصول تعلیم اسلام و علم قرآن پاکستان آئے تھے اور
مرکز احمدیت (ربوہ) میں دینیات کے مدرسہ میں داخل ہیں
اور پشاور تعطیلات موسم گرما میں بغرض سیر آئے تھے اور
مسجد احمدیہ میں مہمان تھے۔ نذیر احمد خان صاحب نے ان سے
تعارف کرایا۔ اور مجھے کہا کہ یہ نوجوان استخارہ کر کے بعد ازاں
داخلِ احمدیت ہوئے ہیں۔ اس شامی نوجوان کو خواہش ہوئی
کہ وہ خود مجھ سے گفتگو کریں۔ اور اس غرض سے انہوں نے
جناب مرزا محمد لطیف صاحب اکبر مبلغ سلسلہ کو بازو سے
پکڑ کر لے آئے۔ وہ عربی زبان میں گفتگو کرتے اور مبلغ صاحب
اردو میں ترجمہ کر کے مجھے واقف کراتے۔ اور پھر میری باتیں ان کو
عربی زبان میں سمجھاتے تھے۔ عرب صاحب نے کہا کہ نذیر احمد صاحب
نے جو یہ کہا تھا کہ میں نے استخارہ کر کے احمدیت قبول کی ہے۔
صرف اتنا ہی نہیں بلکہ پوری تحقیق اور اطمینانِ قلب سے میں
داخلِ احمدیت ہوا ہوں۔ اور پھر اپنے دلائل عربی زبان میں
دہرانے لگے۔ اور مبلغ صاحب ترجمہ سناتے رہے۔ اس عرب نوجوان
کے بیان کردہ دلائل اور واقعات کا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ تاہم
میں استغفار پڑھتا جاتا تھا۔ کہ کہیں میں احمدیت کا شکار نہ
ہو جاؤں اور شیطان گمراہ نہ کر دے۔

دوسرے دن بروز ہفتہ میں پھر مسجد احمدیہ میں آیا۔ اور
براہین احمدیہ حصہ پنجم بغرض مطالعہ لے گیا۔ پہلے دو ٹریکٹ جو کل
لے گیا تھا۔ وہ دونوں رات کو میں نے پڑھ لئے تھے۔ نیز کتاب
براہین احمدیہ میں نے سب مطالعہ کر لی۔

مسجد احمدیہ میں جناب قاضی محمد یوسف صاحب احمدی
امیر جماعت احمدیہ صوبہ سرحد سے ملاقات ہوئی۔ نیز حضرت احمد
موعود علیہ السلام کی کتاب ازالہ اوہام ہر دو حصص میں نے پڑھ لئے
اسی طرح مرزا لطیف اکبر صاحب مبلغ سلسلہ مولوی عبد الکریم صاحب
اور حافظ غلام محی الدین صاحب جو پنجاب کے مہمان تھے۔ ان
دنوں پشاور میں تھے۔ سب میرے اعتراضات کے جوابات وقتاً
فوقتاً دیتے رہے۔ مگر میں نے اپنا دل مضبوط رکھا کہ مجھ پر اثر نہ ہو
تاہم حضرت احمد مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ سے میرے
دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور دل چاہتا تھا۔ کہ ان کی کتب کا مطالعہ
ہر وقت جاری رکھوں۔ جو روحانی کشش ان کتب میں تھی اس نے
مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ اسی شوق میں میں نے تحفہ گولڑویہ کشتی نوح
اور پھر حقیقۃ الوحی پڑھی۔ اور انکے مطالعہ سے میری معلومات میں
بڑا اضافہ ہوا۔ میں نے مسجد احمدیہ میں ہر شام درس القرآن میں شمولیت
اختیار کی اور خدا کے کلام کے مطالب سے بھی آگاہی ہونے لگی۔
احرار اور زمیندار اخبار کے اعتراضات اور حوالہ جات کو
اصل کتب سے ملایا۔ اور مجھے ثابت ہوا کہ یہ لوگ قطع برید کر کے اصل
عبارات کو اس طرح بگاڑ کر پیش کرتے ہیں جیسے کوئی کسی خوبصورت انسا

خدام اور گہرا غور و خوض

(ملک محمد رفیق صاحب جنرل سیکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

برادران۔ آیئے آج کی فرصت میں ہم غور تو کریں کہ بحیثیت خدام ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اور کونسا فریضہ تھا جو ہمارے سپرد ہوا۔ اور ہم کہاں تک اس سے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ ہماری اس تنظیم کو قائم ہوئے سترہ سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو چلا ہے۔ کیا اس طویل مدت کے بعد ہم سچا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہماری منزل پہلے سے قریب تر ہے۔ موجودہ زمانہ کے مامور کی بعثت سے قبل ہدایت کی ایک کامل کتاب موجود تھی انسانیت کی رہنمائی کے لئے اس میں سب سامان میسر تھا۔ اس بحر بیکراں میں ہر قسم کے قیمتی موتی موجود تھے۔ مگر اس کی تہہ تک پہنچنے والا کوئی غواص نہ تھا۔ اس لئے اس کامل نور ہدایت کا محض وجود مسلمانوں میں کسی تبدیلی کا سبب نہ بن سکا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر گہرا غور و خوض کرنیوالا مامور مبعوث نہ کر دیا۔ پھر ان ہی میں سے ایک حصہ جس نے اس آسمانی مامور کے نقش قدم پر اس کی گہرائی تک غوطہ زنی کی اور اس کے جواہرات نکال کر دنیا کے سامنے بکھیرے۔ آسمان پر عزت پا گیا۔ درحقیقت گہرا غور و خوض اور اس کے بعد اس پر عملی قدم ہی کسی نتیجہ پر پہنچنے میں ممد و معاون ہوا کرتا ہے۔ محض نام یا کسی چیز کا وجود کسی کام نہیں آیا کرتا۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم "خدام الاحمدیہ" کے نام پر حضور اقدس کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھکر غور کریں اور خوب غور کریں۔ کہ

> "خدام الاحمدیہ کے وہ ممبر جو یہ سمجھتے ہیں کہ خدام الاحمدیہ دوسری انجمنوں کی طرح ایک انجمن ہے۔ وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ انہیں اس میں شامل رکھا جائے اسی طرح وہ ممبر جو سمجھتے ہیں کہ ہم ایک کمیٹی بنا کر سلسلہ کی خدمت کا جزوی طور پر کچھ کام کریں گے وہ بھی اپنے کام کی اہمیت اور اس کی عظمت سے بالکل ناواقف ہیں"

برادران! آپ کے سپرد اسلام کے عظیم الشان پودا کی آبیاری ہے۔ یہی وہ پودا ہے جس کی آبیاری حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ اور اس پودا نے ترو تازگی اور پھل پھول لانے میں خوب ترقی کی۔ اس کی شاخیں دور دور تک پھیل گئیں۔ اور اس کا سایہ بہتوں کے آرام کا سبب بنا۔ مگر وا حسرتا! کہ ایک وقت ایسا آیا۔ کہ اس کے نیچے آرام کرنے والے لمبی تان کر سو گئے۔ ان کی اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کے نتیجے میں یہ عظیم الشان پودا مرجھا کر اپنی پہلی شان قائم نہ رکھ سکا۔ اور وہ میٹھے پھل جو اپنے اندر ایک صد گونا لذت رکھتے تھے نظروں سے غائب ہو گئے۔ ؎

یہ گنگا تو الٹی بہے جا رہی ہے
جو مسلم کی دولت تھی کافر نے کھائی
ہیں خود اپنے گھر کا بھی مالک نہیں ہیں
ہے غیروں کے ہاتھوں میں میری بڑائی

مگر خوش بختی ملاحظہ فرمایئے۔ کہ اس دکھی سنسار کے امن و سکون میں بدلنے کے پھر سامان پیدا ہونے لگے۔ رحیم و کریم خدا کا رحم اس راہ میں بھی جوش میں آیا۔ اور اس مرجھائے ہوئے پودا میں ترو تازگی پیدا کرنے کے لئے ایک وجود کو مبعوث فرمایا جو اس کی آبیاری کے رازوں سے خوب واقف تھا۔ اس لئے اب خدام احمدیت وہ سپوت ہیں جنہوں نے اس پودا کی آبیاری کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے

پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں محض رسم یا عادت کے طور پر خدائی کلام پڑھنا یا بزرگوں کا وعظ و نصیحت سننا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ جبتک کہ ایک اٹل عزم کے ساتھ اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال کر اور اس پر عمل نہ کیا جائے۔ بیشک ایسے نوجوان ضرور موجود ہیں جن کے کام اور اخلاص کو دیکھکر رشک آتا ہے مگر یہ تین خدودا سے

جو صرف گنتی کی مجالس سے تعلق رکھتے ہیں۔ مزے کی بات تو تب ہے جب ہم بھی اس معیار پر پورے اتریں۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ روحانی جمود محض لفاظیوں سے نہیں ٹوٹا کرتے۔ ان روحانی انقلابات کا سبب وہ ہستیاں ہوتی ہیں جو اپنے اندر ایک درد مند دل رکھتی ہیں۔ اور ان کے دن اور راتیں سوچ و بچار اور درد و الم سے کروٹیں لیتے گذرتی ہیں۔ تاکہ آسمان سے ان کا مضبوط رشتہ بندھ جائے۔ اور ان کو وہ نور حاصل ہو جائے جس سے صدیوں کے اندھیرے کافور ہو جایا کرتے ہیں۔ اور جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کی درد بھری آواز اپنے اندر بلا کی کشش پیدا کر لیتی ہے۔ لوگ زمین کے کناروں سے لبیک کہتے ہوئے کھنچے چلے آتے ہیں۔ پس خدام اس خدائی پودے کی جڑ ان کو اپنی ذاتی مصیبت تصور کریں۔ اور اس کی آبیاری کے لئے اپنے ہر سکھ اور آرام کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اس جذبہ کے ساتھ پھر جو آواز خدام بھائیوں کی اصلاح اور پیاسی روحوں کی تشنگی کو دور کرنے کی خاطر اس پاک چشمہ پر جمع کرنے کے لئے دیں گے خدائی تائید و نصرت اس کا ساتھ دے گی کیونکہ ضرورت صرف اس بات کی ہے۔ کہ پکارنے والے کی آوازیں بناوٹی نہیں بلکہ حقیقی درد چھپا ہوا ہو جو دلوں کو پگھلا دینے کی اپنے اندر طاقت رکھتا ہو۔ اسی صورت میں قطع نظر اس کے کہ وہ اہل قصبات ہیں یا شہر سے دور کسی دور افتادہ بستی کا مکین ہے اللہ تعالیٰ اس کی کمزوریوں کو طاقت اور بے سرو سامانی کو سامان کی فراوانی سے بدل کر اس کی آواز میں برکت پیدا کر دیتا ہے۔

برادران خدام!! جہاں تک ہماری جماعتی تنظیم کا سوال ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ہماری غیر معمولی مدد فرمائی ہے اور ہم اس پر بجا فخر کر سکتے ہیں۔ پیاسی روحوں کو آب حیات تقسیم کرنے کے لئے ایک مضبوط جماعتی نظام قائم ہے مگر جہاں تک انفرادی قربانی اور جد و جہد کا سوال ہے ہمیں اپنے بزرگ آباؤ اجداد کی قربانیوں سے دور کی بھی نسبت نہیں۔ آج جو زمین کے کناروں سے پانچوں وقت اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظمت کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ یہ ثمرہ ہے ان ہی بزرگوں کی قربانیوں اور جد و جہد کا جو بغیر کسی جماعتی نظام کے سہارے کے اپنے عزیز و اقارب کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہکر اپنے وطنوں سے دور دنیا کی مختلف اطراف کو چل دیئے تھے۔

پس برادران آؤ ہم غور کریں اور بار بار غور کریں کہ ہم خدام میں سے کتنے خود اعتمادی اور علم ہمتی کے لحاظ سے اس معیار پر پورے اتر رہے ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم جماعتی نظام کے ساتھ ساتھ انفرادی قربانی کے معیار کو بھی بلند کریں۔ جہاں ہر ایک خادم ایک ستورہ کے ساتھ اپنی ذاتی اصلاح کی طرف توجہ دے وہاں اپنے قرب و جوار میں بلکہ دور دور بسنے والے خدام کی اصلاح کا بھی بیڑا اٹھائے۔ تاکہ ہم سب اپنی اصلاح کے بعد نور کی شمعیں لئے ہوئے مختلف اطراف میں پھیل کر ظلمتوں کے اندھیرے کو روشنی میں بدل سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق بخشے۔

ہمیں
کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ ہم زیادہ سے
زیادہ پیشے اختیار کریں۔ تاکہ ملک کو ترقی حاصل ہو
اور کم سے کم ملازمتیں کریں۔ صرف اتنی جن کی ملک
کو اشد ضرورت ہو۔

الفضل ۱۲؍ دسمبر ۵۲ء

ہماری غذا میں وٹامن (حیاتین) کا حصہ

(چوہدری نذیر احمد صاحب ریسرچ سکالر فضل عمر ریسرچ - ربوہ)

وٹامنز ہمارے جسم کی صحیح نشو ونما اور حیات انسانی کو برقرار رکھنے کے لئے بہت ضروری ہیں۔ مختلف وٹامنز کے علیحدہ علیحدہ خواص اور فوائد ہوتے ہیں۔

کبھی ان کا کام انسانی جسم کی نشو ونما میں گوشت پوست بنانے والے اجزاء یعنی پروٹین کے استعمال کی دیکھ بھال ہے۔ اور کبھی ان کی حیثیت اس تیل کی سی ہے جس کے بغیر موٹر کار پٹرول ہونے کے باوجود بھی نہیں چل سکتی۔ اگرچہ انسان کا جسم ان کو از خود نہیں بنا سکتا۔ تاہم ان کا وجود زندگی کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔

حیاتین خوراک میں اس قدر کم مقدار میں پائے جاتے ہیں کہ موجودہ صدی شروع ہونے سے قبل ان کے متعلق کچھ علم نہ تھا۔ اب یہ نہ صرف حاصل کئے جا سکتے ہیں، اور ان اشیاء سے جن میں یہ قدرتی طور پر پائے جاتے ہیں۔ علیحدہ کئے جا سکتے ہیں۔ بلکہ کیمیاوی عمل سے بھی بنائے جا سکتے ہیں۔

وٹامن A (حیاتین الف)

یہ حیاتین خالص دودھ - دہی - مکھن - لسی - خالص گھی - انڈے - کلیجی اور مچھلی کے جگر کے تیل میں موجود ہے اگرچہ نباتاتی غذاؤں میں یہ وٹامن نہیں پائی جاتی تاہم Carotene (کیروٹین) جسے وٹامن اے کا بدل Pro-vitamins کہتے ہیں اور جو بہت سی سبز چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ ہماری ضروریات کے لئے وٹامن A کا کام دیتی ہے۔ وٹامن A کے لئے ہماری ضروریات ترکاری کی مناسب غذا سے پوری ہو سکتی ہیں۔ ساگ پات یا سبزی مثلاً گاجر - پالک - سلاد - بند گوبھی - دھنیا کے پتوں اور پکے ہوئے پھل مثلاً آم - ٹماٹر - سنگترہ وغیرہ میں Carotene کیروٹین بکثرت پائی جاتی ہے۔

دودھ کو بہت زیادہ تیز آگ پر جوش دینے سے اور گھی کو خوب گرم کرنے سے یہ مادہ حیاتین ضائع ہو جاتا ہے اس لئے حتی الامکان دودھ کو ہلکی آگ پر گرم کرنا چاہیئے۔ اسی وجہ سے پاسچرائیزڈ Pasteurized دودھ کا استعمال زیادہ مفید ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں ایسے دودھ کی فروخت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ البتہ گھروں میں دودھ کو اگر ۱۴۵° فارن ہیٹ پر نصف گھنٹہ کے لئے رکھا جائے۔ تو وہ پاسچرائیزڈ ہو جاتا ہے۔

وٹامن اے کی مسلسل کمی سے آنکھوں کی بیماریاں مثلاً اندھراتا وغیرہ لاحق ہو جاتی ہیں۔

وٹامن (بی)

شروع شروع میں وٹامن بی مفرد خیال کی جاتی تھی لیکن اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ وٹامن بی کی کئی قسمیں ہیں ایک قسم کے گروپ کو بی اول (B1) اور دوسری قسم کے گروپ کو بی دوم (B2) کا نام دیا گیا ہے۔ وٹامن B1 بہت ضروری ہے۔ یہ جسم میں کاربوہائیڈریٹس کے استعمال پر کنٹرول کرتی ہے۔ خوراک میں اس کی عدم موجودگی سے ایک بیماری جس کو بیری بیری (Beriberi) کہتے ہیں لگ جاتی ہے۔ اس بیماری میں ٹانگیں کمزور اور پتلی ہو جاتی ہیں۔ اور دل بھی باقاعدہ اپنا کام نہیں کرتا۔

ایسی غذا جو زیادہ تر مشین سے صاف شدہ چاولوں پر مشتمل ہو۔ اس مادہ حیات کے لحاظ سے ناقص ہوتی ہے۔ یہ وٹامن مشین میں صاف نہ کئے ہوئے اناج۔ دالوں۔ گری دار میوے مثلاً بادام اخروٹ وغیرہ میں کافی مقدار میں موجود ہے۔

بی دوم (B2) گروپ کی حیاتین بھی انسان کی نشو ونما

کے لئے ضروری ہیں۔ اس مجموعہ کے اجزاء اناجوں اور دالوں میں بافراط موجود ہیں۔ ان کے علاوہ خمیر۔ دودھ۔ لسّی، پنیر، جگر، انڈے۔ اس کے اچھے مخزن ہیں۔ اس مجموعہ حیاتین کی وجہ سے آنکھیں۔ زبان، ہونٹ اور انتڑیاں تندرست رہتی ہیں۔

وٹامن سی (C)

یہ وٹامن تازہ پھلوں اور سبزیوں اور اکھوائی ہوئی Sprouted دالوں میں کافی مقدار میں پائی جاتی ہے تازہ پھل مثلاً ٹماٹر۔ سنگترہ۔ آم۔ لیموں وغیرہ میسر نہ آنے کی صورت میں وٹامن سی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ یہی اکھوے پھوٹا اناج ہے۔ اکھوے پھوٹی دالوں میں سو گرام پیچھے دس سے پندرہ ملی گرام وٹامن سی کی مقدار ہوتی ہے۔

سر رابرٹ میکاریسن کی کتاب "غذا" میں اناج اکھوانے کا حسب ذیل طریقہ درج ہے۔

"چنا۔ مٹر۔ گیہوں یا کوئی اور ثابت غلہ چوبیس گھنٹے کے لئے پانی میں بھگو کر کسی گیلے کپڑے پر گیلا گیلا پھیلا دیا جاتا ہے۔ پھر اس پر کپڑے یا ٹاٹ کا بھیگا ہوا ٹکڑا ڈال دیا جاتا ہے۔ جس پر وقتاً فوقتاً پانی چھڑکتے رہتے ہیں۔ تاکہ وہ گیلا رہے۔ دو تین دن کے بعد دالوں میں اکھوے پھوٹ آئیں گے۔ اکھوائے ہوئے اناج کو کچا یا زیادہ سے زیادہ دس منٹ تک پکا کر کھانا چاہیئے۔"

آملہ میں یہ وٹامن خاص طور پر بہت بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے ایک واحد آملہ میں دو سنگتروں کے برابر وٹامن سی (C) موجود ہے۔

یہ وٹامن سبزیوں کو زیادہ پکانے یا خشک کرنے سے ضائع ہو جاتی ہے۔ اور کچی سبزیوں کا کھانا بھی خطرات سے باہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے آلودگی Infection کا ڈر رہتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ سبزیوں کو کچا کھانے سے پہلے اچھی طرح صاف کر لیا جائے۔

وٹامن سی کی کمی سے سکروی (Scurvy) کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔ جس سے دانتوں اور مسوڑھوں پر اثر پڑتا ہے۔ جوڑوں میں درد اور جسم کے مختلف حصوں میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے قطع نظر یہ وٹامن عام صحت کے لئے بھی بہت ضروری ہے۔ دودھ پیتے بچوں کو جن کی پرورش اُبلے ہوئے تازہ دودھ پر ہو رہی ہو۔ وٹامن سی بہم پہنچانے کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ اور اس کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ ان کو تھوڑی تھوڑی مقدار میں ٹماٹر، سنگترہ، لیموں۔ آم وغیرہ کا رس پلانا چاہیئے۔

وٹامن ڈی (D)

وٹامن ڈی کا اثر دانتوں اور ہڈیوں پر ہوتا ہے اس مادۂ حیات کی کمی سے ایک بیماری لگ جاتی ہے۔ جو بچوں کی حالت میں رکٹس (Rickets) اور بڑوں خصوصاً عورتوں کی حالت میں اوسٹو ملیشیا Osteo malacia کہلاتی ہے اس بیماری میں ہڈیاں نرم ہو کر جھک جاتی ہیں۔ یہانتک کہ مریض بیچارا اپاہج ہو جاتا ہے۔ اوسٹو ملیشیا عام طور پر عورتوں کو دوران حمل میں لاحق ہوتا ہے۔ جبکہ رحم میں بڑھتے ہوئے بچے کی وجہ سے جسم میں وٹامن ڈی اور چونہ کی خوراک کی مانگ زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے نہایت ضروری ہے۔ کہ ان حالتوں میں وٹامن ڈی اور کلسیم کی خوراک کا خاص خیال رکھا جائے۔ وٹامن ڈی دودھ میں اور گھی، مکھن۔ انڈے اور جگر میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ مچھلی کے جگر کے تیل میں کافی مقدار میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بیماریاں کاڈ یا شارک مچھلی کے جگر کا تیل یا خالص وٹامن ڈی کھانے سے دور ہو جاتی ہیں۔

قدرت نے بھی اس کا انتظام کر رکھا ہے۔ سورج کی شعاعیں ہمارے جسم میں وٹامن ڈی بناتی ہیں۔ چنانچہ اسی سبب سے زیادہ تر دھوپ والے علاقوں میں وٹامن مذکور کی کمی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی بیماریاں لاحق نہیں ہوتیں۔ لگاتار سخت پردہ میں رہنے والی عورتوں کو جن کی روزانہ خوراک میں وٹامن ڈی کی مناسب مقدار نہیں ہوتی عموماً اس مرض میں مبتلا ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا حیاتین کے علاوہ اور بھی کئی ایک حیاتین ہیں۔ مگر وہ اتنی اہمیت نہیں رکھتیں کہ انکا ذکر کیا جائے۔

معدنی نمکیات

معدنی نمک ہماری خوراک کا ایک بہت ضروری جزو ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ غذائی لحاظ سے زیادہ اہم کلسیم۔ پوٹاسیم۔ سوڈیم۔ فاسفورس۔ لوہا۔ اور آیوڈین (Iodine) ہیں۔ مذکورہ معدنی نمک کسی حد تک پروٹین کے ساتھ بلکہ بطور تعمیری اجزاء کام دیتے ہیں خصوصاً ہڈیوں اور دانتوں میں اور کسی قدر وٹامن کی مانند عام صحت کو برقرار رکھنے میں ممد ہیں۔

کلسیم:- یہ ہمارے جسم کے لئے بہت ضروری ہے۔ یہ چونے کا جزو ہے۔ اور ہڈیوں اور دانتوں کے بننے میں اور دل کے صحیح کام کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ خون کی بستگی Coagulation کے لئے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ زخم وغیرہ ہو جانے کی صورت میں خون زیادہ ضائع نہ ہو۔ علاوہ ازیں یہ فیٹ (چکنائی) اور لوہے سے فائدہ اٹھانے میں بھی مدد دیتا ہے ہم میں سے ہر ایک ہر روز کچھ نہ کچھ مقدار اس کی کھاتا ہے اور نکالتا ہے۔ اس واسطے اس کی تلافی ضروری ہے۔ بڑوں کی نسبت بچوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ ضرورت ان عورتوں کو ہوتی ہے۔ جو حاملہ ہوں۔ کلسیم حاصل کرنے کا نہایت عمدہ ذریعہ دودھ ہے۔ قدرت اسی ذریعہ سے ہی جانوروں کے بچوں کو بھی مطلوبہ مقدار میں نمک مذکور بہم پہنچاتی ہے کیونکہ ان کو بھی ہماری طرح اس کی ضرورت ہوتی ہے اس کی کمی سے ہڈیاں اور دانت کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور رکٹس کی بیماری لگ جاتی ہے۔

دودھ۔ دہی۔ لسی۔ انڈے کے علاوہ سبزیوں مثلاً میتھی۔ چولائی وغیرہ میں کلسیم بکثرت ہوتا ہے۔ چاول میں کلسیم بہت کم ہوتا ہے لہذا چاول کے ساتھ دودھ کا استعمال نہ صرف مفید بلکہ کسی حد تک ضروری ہے۔

فاسفورس۔ فاسفورس بھی ہڈیوں اور دانتوں کا اہم جزو ہے۔ اور ان میں یہ بطور کلسیم فاسفیٹ موجود ہوتا ہے جسم کے ہر سیل (Cells) میں فاسفورس ہوتا ہے۔ خون کا بھی ضروری حصہ ہے۔ دودھ۔ لسی۔ انڈوں۔ دالوں۔ سویابین گاجر۔ گوبھی۔ گوشت۔ مچھلی وغیرہ میں ہوتا ہے۔ عموماً جن چیزوں میں کلسیم ہوتا ہے ان میں فاسفورس بھی کم و بیش ضرور موجود ہوتا ہے۔

جس طرح خوراک میں فاسفورس کی کمی سے ہڈیاں اور دانت اچھی طرح نہیں بن سکتے۔ اسی طرح اس کی زیادتی بھی جبکہ کلسیم کی مقدار خوراک میں کم ہو۔ ہڈیوں اور دانتوں کی صحیح نشوونما میں خلل ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی خوراک میں ہمیشہ ایسی چیزیں شامل کرنی چاہئیں جن میں فاسفورس بھی ہو اور کلسیم کی مقدار بھی کافی ہو۔

آئرن (لوہا)

یہ بھی ہماری غذا کا بہت ضروری جزو ہے اسی سے خون کو سرخ رنگ حاصل ہوتا ہے۔ جس سے وہ آکسیجن کو جسم کے تمام حصوں میں پہنچاتا ہے۔ عورتوں اور بچوں کو مردوں اور بڑوں کے مقابلہ میں زیادہ لوہے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی کمی خون پر اثر انداز ہو کر تکان اور انیمیا Anaemia کا مرض پیدا کرتی ہے۔ جگر۔ سرخ گوشت انڈوں۔ دالوں۔ پیاز۔ گوبھی میں کافی ہوتا ہے۔ دودھ میں بہت ہی کم ہوتا ہے اس لئے قدرت نوزائیدہ بچوں میں پہلے ہی سات ماہ کے واسطے کافی ذخیرہ جمع کر دیتی ہے۔

نمک۔ نمک یا سوڈیم کلورائیڈ کی ہمارے جسم کو کئی لحاظ سے ضرورت ہوتی ہے۔ یہ خون کی کیمیاوی ترکیب ٹھیک رکھتا ہے۔ اور بافتوں (Tissues) میں پانی کی مقدار بھی اس کی وجہ سے ٹھیک رہتی ہے۔ علاوہ ازیں نمک جسم کے مختلف اعضاء کو اپنا کام ٹھیک انجام دینے میں بہت معین و مددگار ہے۔ اس کی زیادتی گردوں کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ نمک کے ساتھ کلورین بھی مل جاتی ہے جو خون کی ترکیب کو صحیح رکھنے کے علاوہ نمک کا تیزاب بنا کر معدہ کو خوراک ہضم کرنے میں مدد دیتی ہے۔

آیوڈین:- یہ بھی ہماری غذا کا ضروری جزو ہے ہمارے جسم کو آیوڈین گردن میں واقعہ غدود Thyroid gland کے ذریعے ملتی ہے۔ یہ سبزیوں میں کافی مقدار میں پائی جاتی ہے۔ سمندر میں اس کی بہت بڑی مقدار پائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے سمندری مچھلی اور سکاڈ کے جگر کے تیل میں یہ بکثرت ہوتی ہے۔

آیوڈین جسم کو کلسیم اور چکنائی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے میں بھی ممد ہے۔ اس کی بہت تھوڑی مقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ مقدار نقصان دہ ہے۔

یاد رکھنا نہایت ضروری ہے کہ تقریباً تمام کے تمام معدنی نمک کسی حد تک پانی میں ضرور حل ہو جاتے ہیں اسلئے سبزیاں کھانے سے پہلے ابالی جاتی ہیں۔ تو معدنی نمک کا معتد بہ حصہ پانی میں حل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس پانی کو پھینکنا سخت غلطی ہے۔ اسی وجہ سے ضروری ہے کہ ہم بعض سبزیاں کچی ہی کھائیں مگر اس میں صفائی کا خاص خیال رکھنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

غرض وہ تمام معدنی نمک جن کی ہمارے جسم کو ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی خوراک میں جو دودھ۔ دہی۔ لسی اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء۔ سبزیوں۔ پھلوں اور اناج پر مشتمل ہو۔ صحیح اور متناسب مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔

اب تک صرف ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن پر پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں ہیں۔ جو قدرت نے ہمیں مفت عطا کر رکھی ہیں۔ مثلاً تازہ ہوا۔ دھوپ پانی۔ ان کو بھی خوراک کا حصہ خیال کرنا چاہیئے۔ اکثر لوگ انکی اہمیت کو بعض اوقات نظر انداز کر دیتے ہیں شاید اس لئے کہ یہ بغیر کچھ خرچ کئے میسر آ جاتی ہیں۔ تازہ ہوا اور دھوپ ہماری قوتِ ہاضمہ اور طاقت کو بڑھاتی ہیں۔ دھوپ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ ہمارے جسم کے اندر وٹامن ڈی بنانے میں بھی مدد دیتی ہے۔ جس سے جسم مضبوط اور طاقتور رہتا ہے پانی ہضم ہونے والی خوراک کو پتلا کرنے میں مدد دیتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح جذب ہو سکے۔ اور جزوِ بدن بن سکے۔ اس لئے کھانوں کے درمیانی عرصہ میں اس کی خاص مقدار لینی چاہیئے۔

بقیہ اداریہ

مثلاً تپ محرقہ کو دیکھنے والا فوراً کہہ دیتا ہے کہ یہ بیمار مرض ہلاکت میں ہے ایک ہی بعض موٹے اور ظاہری بُت ہیں اور ان سے مخلصی سہل ہے۔ دیکھو ایک زمانہ تھا۔ کہ تمام پنجاب ہندوستان بُت پرستوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن ان کا بہت بڑا حصہ مسلمان ہو گیا۔ جو ہمارے سامنے موجود ہے اور جو باقی رہ گئے وہ بھی بتوں سے نفرت کرتے جاتے ہیں۔ ان بتوں کے بیکار ہونے کی یکی دلیل موجود ہے۔ جو خود بُت پرستوں نے بھی ان کو شناخت کیا۔ اور چھوڑ دیا۔ لیکن وہ باریک بُت جو لوگ اپنی بغلوں کے اندر دبائے پھرتے ہیں ان کا نکالنا ایک مشکل امر ہے۔ بڑے بڑے فلسفی اور حکیم ان کو اپنے اندر سے نکال نہیں سکتے وہ نہایت باریک کیڑے ہیں جو خدا تعالٰے کے بڑے فضل کی خوردبین کے سوا نظر نہیں آسکتے۔ وہ بڑا جزو انسان کو پہنچاتے ہیں۔ وہ بُت جذبات انسانی کے ہیں۔ جو کہ انسان کو خدا تعالیٰ اور اپنے ہم جلیسوں کی حقوق تلفی میں حد سے باہر لے جاتے ہیں بہت سے پڑھے لکھے جو کہ عالم کہلاتے ہیں اور فاضل کہلاتے ہیں اور مولوی کہلاتے ہیں اور حدیثیں پڑھتے ہیں۔ اپنے آپ میں ان بتوں کی شناخت نہیں کر سکتے۔ اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔ ان بتوں سے بچنا بڑے بہادر آدمی کا کام ہے۔ جو لوگ ان بتوں کے پیچھے لگتے ہیں۔ وہ آپس میں نفاق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق تلف کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ ہم نے ایک شکار مارا ہے۔ حد سے زیادہ اسباب پر زور دیتے ہیں۔ اور ان کا تمام بھروسہ ان اسباب پر ہی ہوتا ہے۔ جب تک ان باتوں کا قلع قمع نہ کیا جاوے توحید قائم نہیں ہو سکتی۔

(منقول از تقریر جلسہ سالانہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۶ء
اخبار بدر جلد ۶ صفحہ ۲۵۱ ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء)

نہ جانے کیوں جبکہ ـــ!

سمیع اللہ قریشی
سٹوڈنٹ بی اے (آنرز) ٹی آئی کالج لاہور

خدائے واحد و یکتا کو ماننے والے
(خدا کہ خالقِ باری خدا کہ ربِّ جلیل)
ہمیں تو ہیں کہ جو بتلا رہے ہیں دنیا کو
کہ یہ جہاں ہے فقط اُس کی عظمتوں کی دلیل

محمدؐ عربی کے غلام ہیں ہم لوگ
ہے راہبر وہی اپنا تو رہنما اپنا
اسی کے فیض سے قائم ہے کائنات کا رنگ
اسی کے دین کی تبلیغ مدعا اپنا

ہمارا مذہب اسلام ملّتِ احمدؐ
وہی ہے کعبہ و قرآں ہماری مشعلِ راہ
ہمیں یقین ہے اسلام کی صداقت پر
ہمیں اسی سے ہے الفت یہی ہے منزلِ ما

یہی ہے راستہ اپنا یہی ہے سالکِ راہ
یہی ہے جادۂ منزل یہی ہے راہِ سفر
اسی چمن کی بہاروں کے پھول ہیں ہم بھی
یہ جانتے ہیں مگر وہ کہ جو ہیں اہلِ نظر

مگر یہ لوگ جو کہتے ہیں خود کو "عالمِ دیں"
بھٹک رہے ہیں جو کب سے یونہی، خدا جانے
یہ کہہ رہے ہیں ہمیں "تم ہو کافر و بے دیں"
جو ہم ہیں "کافر و بے دیں" تو تم ـــ خدا جانے

۲۵ر اپریل ۵۴ء کو لکھی گئی
ـــ ربوہ ـــ

نعیم الدین ربانی (ریٹائرڈ انجینئر)

(اس مضمون کے متعلق تصویری ٹائٹل کے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔)

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد

"........ لیکن اس کے معاً بعد ایک عجیب گھناؤنا سا اندھیرا ذہن کی جولانیوں پر مسلط ہو گیا۔ جس میں کم ہمتوں، خیرات اور پُن دان پر گزر اوقات کرنے والوں کے غول کے غول ہاتھوں میں مختلف رنگوں کے کشکول تھامے، جوڑا اور منقش سیاستدانوں اور قصیدوں کے پیچھے کشکول اٹھائے چلے جا رہے تھے۔ مفلوج اور لرزتی ہوئی ٹانگوں کو گھسیٹتے ہوئے پژمردہ اور آدھ کھلی آنکھیں ایوانِ حکومت کی پیشانیوں سے چپکائے ہوئے ....!!"

پچھلے دنوں سیلاب زدگان کی اعانت، انہیں ضروری ادویہ بہم پہنچانے اور ان کی مزید راحت کو ملحوظ رکھ کر سرکاری حکام کی تعیناتی کے سلسلہ میں جب اور میرے تین اور رفقاء نے جو جھنگ کے سیلاب زدہ علاقوں کا رضاکارانہ دورہ کیا۔ تو ہمیں عارضی طور پر ادویہ کا سٹاک کم ہو جانے کے باعث جھنگ کے ایک نوآباد قصبہ ربوہ میں جانا پڑا ۔۔۔ دینی مسلمانوں کے ایک نہایت ہی تھوڑی گنتی والے فرقہ کا بنایا آباد کیا ہوا قصبہ ہے جن لوگوں نے امریکہ اور کولمبو پلان کے تحت کروڑوں روپے کی آتی ہوئی امداد اور پاکستان کے کروڑوں کے سرمایہ سے تعمیر کردہ علاقہ تھل کو دیکھا ہے۔ اور جو اس علاقہ کے متعلق تشہیر کی ہوئی باتوں میں تعلقاتِ عامہ کے پراپیگنڈے کو علیحدہ کر کے دیکھ سکنے کی نظر رکھتے ہیں انہیں ربوہ بسانے والے ہمتوں کو دیکھ کر بے ساختہ حکیم الامت علامہ اقبال کا یہ مصرع پڑھنا ہی پڑتا ہے ع

"کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد"

ربوہ نے اس قیامت خیز سیلاب میں اس کو اپنی معنوی صفات کے باعث خوب خوب ہی محفوظ رکھا ہے کیونکہ "ربوہ" کے معنی ہیں "اونچی پہاڑی" کے۔ چنانچہ

گو اس کے چاروں طرف قریوں اور قصبوں میں پانی رہا۔ لیکن اس کی گرد کو چھو نہ سکا۔ ادویہ خرید کر ہم چنیوٹ جانے کے لئے ریلوے لائن پہ آئے (کہ اس کی پٹڑی ہی ایک راستہ محفوظ رہ گیا تھا) تو بائیں طرف رائفل کلب کے عین سامنے ہائی سکول کے پاس ہی ہماری نگاہیں ایک جدید نمونے کی وسیع و عظیم الشان عمارت سے ٹکرائیں۔ جس کے بعض حصے مکمل ہو چکے تھے۔ بعض کی بنیادیں اٹھ چکی تھیں۔ اور بعض کی تزئین کا مرحلہ سر ہو رہا تھا۔ ذرا اور قریب ہوئے تو عمارت کی پیشانی کی جاذبیت نے ذرا اور قریب جا کر نظارہ کی دعوت دی تو پتہ چلا کہ یہ دراصل نئے تعلیم الاسلام کالج کی عمارت ہے۔ جو گزشتہ تین ماہ کے اندر اندر ہی اس حد تک مکمل کی جا چکی ہے کہ لاہور کی بجائے رخصتوں کے بعد پڑھائی یہیں آ شروع ہوئی ہے۔ صرف لیبارٹریوں کے فرشوں پر سیمنٹ کی دبیز تہیں ہی چڑھانا باقی ہے۔ یا میڈیکل گروپ کے نئے تجربہ گاہیں محتاجِ تکمیل ہیں۔

جاذبِ نظر بڑے دروازے عبور کر کے برآمدے میں پہنچے تو ہماری ملاقات کالج کے باہمت پرنسپل سے ہوئی جو فیتہ لئے مستریوں کو ان کے سائز وغیرہ کے متعلق کچھ ہدایات دے رہے تھے۔ اور پڑھائی کے تمام کمروں کے متعلق ایک قسم کا "سٹینڈنگ آرڈر" جاری فرما رہے تھے۔

کھڑکیاں گو بڑی اور اسی سائز کی ہوں لیکن دیواروں کے اوپر کے حصوں میں۔ تاکہ برآمدے میں گھومنے والے بچے تانکا جھانکی نہ کر سکیں۔ اور جو بچے کلاس میں آ جائیں۔ وہ باہر کے شور و غل سے کلیۃً بے علاقہ ہو کر اپنے پروفیسر سے استفادہ کر سکیں۔

یہ پرنسپل صاحب ۔۔۔ جو اس وقت ایک موٹے لٹھے کا کرتہ اور شلوار زیب تن کئے ہوئے تھے۔

- قرآن مجید کے حافظ بھی ہیں۔
- عربی ادب کے مولوی فاضل بھی اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایم۔ اے بھی۔

• انہوں نے اپنی تمام چھٹیاں قریباً یہیں گزاری ہیں۔ اور جن دنوں میں کالج کے طلباء تک پہاڑی اور بلند علاقوں پر پکنکوں میں مصروف تھے۔ یہ مزدوروں۔ معماروں، بڑھئیوں اور نقاشوں کے ہمراہ مصروف کار رہے ہیں۔

اور ان کے صرف چار ہی مشاغل رہے ہیں۔

۱۔ عمارت کے لیئے تمام اشیاء مہیا کرنا۔

۲۔ ہر شام سارے دن کے کام کا جائزہ لینا۔ ان کی مزدوریاں بھگتنا۔

۳۔ علاقے کے علم دوست اور کالج کے اولڈ بوائز اور قوم کے دردمند لوگوں سے مل کر کالج کی عمارت کے لیئے عطایا اکٹھے کرنا اور

۴۔ جو کمرے تیار ہوتے چلے جائیں انہیں جلد سے جلد تمام ضروری سامان سے لیس کر دینا۔ تاکہ بچوں کو پڑھائی کے وقت کوئی دقت محسوس نہ ہو۔

میں اس جائزہ میں ڈوبتا ہوا نظر آیا۔ تو میرے ساتھی نے پیچھے سے یہ ع پڑھ دیا۔

ع ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

اور ع ایک ہم ہیں ــــ کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ۔

"جانتے ہو اس کالج کی اتنی فوری تعمیر کا پس منظر کیا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"ہاں کیا؟" وہ سب یک زبان ہو کر بولے

انجمن حمایت اسلام نے اس ادارہ کا لاہور میں ناک میں دم کر رکھا تھا۔ ایک وقت تھا کہ خود قائد اعظم سے پانچ لاکھ کے سرمائے سے شہر کے باہر ایک عظیم الشان کالج تعمیر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن ادھر قائد اعظم نے آنکھیں بند کیں۔ اور ادھر انجمن والوں کو ملک و ملت سے کیئے ہوئے تمام وعدے بھول گئے۔ اور بھولتے بھی کیوں نہ؟ الاٹ منٹوں اور بندر بانٹ کا دور ــــ تعمیروں کے لیئے کب ہوتا ہے! وہ تو آتا ہی جذبہ تخریب کو نمو بخشنے کے لیئے ہے۔ چنانچہ تمام عزائم شل ہو گئے۔ اور ارادے مفلوج اور نظر سمٹ سمٹا کر صرف "مالِ غنیمت" ہی پر چپک گئی۔ چنانچہ سردار عبدالرب نشتر کو غازیِ ملت اور نہ جانے کیا کیا اسلامی خطابات اور سپاسنامے پیش کر کر کے منوا لیا گیا۔ کہ تعلیم الاسلام کالج والوں سے ان کو الاٹ شدہ ڈی۔ اے۔ وی کالج چھین کر اسلامیہ کالج کو دیدیا جائے۔

• ان کے پاس ایک بہت ہی اچھا کالج تھا۔

• وہ ایک بہت ہی خوشنما عمارت اور عظیم الشان تعلیمی ادارہ چھوڑ آئے ہیں۔

• وہ آخر اپنے طلباء کو لیکر کہاں جائیں گے۔ لیکن جب سارے کام "پہنچ" ہی سے ہوتے ہوں۔ اور دقت کی سب بڑی "پہنچ" اپنی مٹھی میں ہو تو کیا ہو نہیں سکتا؟

لیکن افسوس کہ

• انجمن کے سالانہ جلسوں کے تمام سپاسنامے بھی اکارت گئے

• وزراء اور گورنروں کی طفل تسلیاں بھی صدا بصحرا ہی ثابت ہوئیں۔

• اور انجمن کا کالج آج وہیں کا وہیں رہا جہاں تھا۔

سنا ہے زندہ اور باعزم لوگوں نے جب نئے مسکن میں اپنی عظمت کا جھنڈا گاڑنے کے لیئے وہاں سے رخت سفر باندھا تو خیرات کے لیئے منتظر کشکول پھر بھی حرکت میں نہ آسکے وہ تو منتظر تھے کہ چپاتی کا بیرا اٹھا کر کوئی ان کے منہ میں ڈال دے۔ چنانچہ آج وہاں کٹی پھٹی لاشیں قابض ہیں۔ نکلنے والوں کو اللہ نے ایک بنا مستحکم اور شایانِ شان ادارہ دیدیا ہے۔ مگر انجمن جہاں تھی وہیں ہے۔

لازماً اس کا دوسرا قدم اب کوئی اس قسم کا احتجاج ہوگا۔ انہیں نئی عمارت کے لیئے جتنا روپیہ دیا ہے۔ اتنا ہی ہمیں رنگ و روغن کے لیئے دو۔ اور حکومت ــــ بچاری اور بے بس حکومت ــــ حمایت اسلام کے جذبے اور دھونسے سے مرعوب ہو کر یہ زہر بھی کھا لے گی۔

اس نئے کالج کا سقفی رقبہ ایک لاکھ مربع فٹ ہوگا اس کے تین ونگ ہوں گے۔ جنہیں اگر پہلو بہ پہلو پھیلا دیا جائے۔ تو پونے دو فرلانگ تک پہنچ جائیں۔

میں نے سرگودھا کالج کی عمارت بھی دیکھی ہے۔ جس پر

حکومت ۳۵ لاکھ روپیہ صرف کر چکی ہے۔ اور جس میں سائنسی تعلیم کا کوئی اہتمام ہی نہیں۔ لیکن یہ ادارہ

• جس میں ایم۔ ایس سی تک کا ہر ممکن اہتمام ہوگا۔

• اس سے کہیں زیادہ اہتمام و جاذبیت لئے ہوئے صرف پانچ ساڑھے پانچ لاکھ کے لگ بھگ سرمایہ ہی سے تیار ہو جائیگا پرنسپل کا زیادہ سے زیادہ اندازہ یہی ہے۔

اسی ایک بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ٹھیکیدار کے کاموں میں اور جذبۂ ملی سے سرشار ذہنوں کے کردار میں کتنے لاکھ کا فرق ہے۔

پرنسپل صاحب کے لاہور کی بجائے یہاں چلے آنے پر طلباء داخلہ کے لئے ذوق و شوق اور دیگر علمی انہماک کے متعلق گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا۔

• طلباء کی تعداد آج کے دن تک بھی لاہور کی نسبت زیادہ ہے۔

• گذشتہ سال دس دن کے اندر فرسٹ ایئر کا داخلہ ۱۰۰ رہا تھا۔ اب کے ایک سو ساٹھ تک پہنچ چکا ہے۔

• یہ کالج اس علاقہ کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا ہے۔

• اچھے اچھے نمبروں والے طلباء جو بیچارے غربت و افلاس کے باعث تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ لپک کر آئے ہیں۔

بعض ایسے ایسے لڑکے بھی — انہوں نے ایک بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ یہ بچہ میٹرک میں ہائی فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوا ہے۔ لیکن غریب بھی ہائی فرسٹ ڈویژن ہی کا ہے۔ لہٰذا ہوسٹل وغیرہ کے اخراجات کے لئے فارغ وقت میں مزدوری کرتا ہے۔

ہوسٹل جس کے ابھی صرف کمرے ہی تعمیر ہوئے ہیں درمیانی صحن۔ چھجے۔ برآمدے۔ کنگرے اور بام و در کی تزئین باقی ہے۔ ضرورت سے زیادہ بھر چکا ہے۔

اور تین تین کے لئے کمروں میں چار چار طلبہ کھپانے پڑے ہیں۔

پرنسپل صاحب سے نظر بچا کر ہم ہوسٹل کی طرف مڑے تو پہلے ہی دو کمروں میں ہمیں لاہور کے چھ سات بچے نظر پڑے جنہیں کالج کی محبت۔ پروفیسروں کی توجہ اور ادارہ کی غریبانہ عظمت لاہور سے یہاں کھینچ لائی تھی۔ ان کے ساتھ ہی دو سوڈانی طالب علم۔ ایک دو انڈونیشی فروکش تھے۔

ہمیں یہ سنکر حیرت ہوئی۔ کہ گو پانچ میل کے فاصلہ پر ہی چنیوٹ میں بھی کالج کھل چکا ہے۔ لیکن چنیوٹ کے زیادہ طالب علم وہاں کی بجائے یہاں آکر داخل ہوئے ہیں۔

تعلیمی کمرے تین سائزوں کے ہیں ایک وہ جو تھیٹر نما ہیں یعنی سیڑھیوں والے، اور دوسرے جن میں ساٹھ کے لگ بھگ طلباء آسکیں۔ اور تیسرے ان سے چھوٹے۔

لیبارٹریوں اور دوسری عمل گاہوں کا لکڑی وغیرہ کا تمام سامان یہیں بن رہا ہے۔ جرمنی سے گیس پلانٹ آچکا ہے عمارت کے رگ و ریشے میں بجلی کی لہر دوڑ چکی ہے۔ اور طلباء کے کمرے روشن و منور ہیں۔ سائنس اور میڈیکل سے متعلقہ تمام کمرے کھڑکیوں اور سیمنٹ کے فرشوں سمیت آئندہ آٹھ دن تک تیار ہو جائیں گے۔ سپرنٹنڈنٹ اور پرنسپل کے اقامتی کوارٹرز زیر تعمیر ہیں۔ اس کے علاوہ گیسٹ ہاؤس اور بک شاپ کی دیواروں نے بھی سر ابھارنے شروع کر دیئے ہیں۔ کالج کے بڑے دروازے کے سامنے سیمنٹ کی چادریں بچھ رہی ہیں اور ابھی پانی کے نکاس اور دیگر صفائی وغیرہ کے متعلق سوال کرنے ہی والا تھا۔ کہ پرنسپل صاحب نے خود ہی بتا کر ہماری معلومات میں یہ حوصلہ افزا اضافہ فرمایا کہ

آئندہ آٹھ ماہ کے اندر ساری عمارت میں فلش سسٹم مکمل ہو چکا ہوگا۔ اس کے لئے ایک بہت بڑی فرم کو آرڈر دیا جا چکا ہے۔ چنانچہ متعلقہ سامان آنا شروع ہو گیا ہے۔

صاحبزادہ صاحب! پھر تو یہ اپنی نوعیت کی ایک احد اور عالی شان عمارت بن جائے گی۔ میرے ایک ساتھی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ جس کے جواب میں انہوں نے نہایت ملائمت کے ساتھ فرمایا۔

"ہاں۔ جیسی میرے مولا کو منظور ہوگی"

در اصل ہمارے لئے سب سے بڑی دقت یہ ہے۔ کہ ہمارے ہاں زندگی کے ہر شعبے میں خالص اشیاء کا فقدان ہے

اور ہم ہیں کہ اس ادارہ کی تعمیر میں شروع سے ہی ایک اصول پیش نظر رکھا ہے یہ کہ

"ONLY THE BEST IS FOR US"

اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں۔ کہ ایک طرف ہمارا یہ عزم۔ کہ "ہمارا حصہ صرف "بہترین" ہی ہو سکتا ہے"

دوسری طرف —— ہماری معروف کم مائیگی، اور ان دونوں پر اچھے مواد اور اچھی اشیاء کی کساد بازاری اور نایابی

کیا یہی بہتر نہیں کہ ان تمام خلاؤں کو اسی جلیل و قدیر ہی کے فضل پر چھوڑ دیا جائے۔ کہ وہ انہیں اپنی کرم نوازیوں سے بھر دے"

اس عظیم الشان اور روشن و تابندہ مستقبل کے حامل ادارہ کو دیکھ کر ہوئے۔ تو دیر تک انسانی ہمت اور حوصلہ کی تاریخ ذہن پر حاوی و طاری رہی۔ لیکن اس کے معاً بعد ہی ایک عجیب گھناؤنا سا اندھیرا سا ذہن کی جولانیوں پر مسلط ہو گیا۔

جس میں کم ہمتوں خیرات اور چندوں پر گذر اوقات کرنے والوں کے غول ہاتھوں میں مختلف رنگوں کے کشکول تھامے جڑاؤ منقش سیاسی اور قصبے اٹھائے چلے جا رہے تھے مفلوج اور لرزتی ہوئی ٹانگوں کو گھسیٹتے ہوئے پژمردہ اور آدھ کھلی آنکھیں ایوان ہائے حکومت کی پیشانیوں سے چپکائے ہوئے۔

میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ انجمن حمایت اسلام کے صدر کے نام ایک مکتوب ارسال کروں گا۔ علامہ مرحوم کے اس مصرعہ دلپذیر کے زیر عنوان ع "کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد"

لیکن پھر خیال آیا۔

اعتراضات اور موشگافیوں سے کہیں بہتر کسی کی بلند ہمتی کا اعتراف کرنا ہے۔

کیا عجب ہے ایک چھوٹے سے ادارہ کی بلند ہمتی کی یہ داستان انجمن حمایت اسلام اور اس کے اکابر کو بھی اپنے اس پانچ لاکھ کے صرفہ سے لاہور کے باہر ایک عظیم کالج تعمیر کروا لینے کے وعدہ کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق دلا سکے۔ اور وہ بجائے لیاقتی دہلیزوں کی جبہ سائی کی بجائے نونہالان وطن کی فلاح و بہبود اور بہترین تربیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر خود ہی نئی مستحکم اور بلند دیواریں استوار کرنے میں لگ جائیں۔

(از ہفت روزہ کیمپ ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

مصائب سے قومی تعمیر

اے عزیز جو شخص مصیبت میں گرفتار نہیں ہوتا بظاہر بڑا خوش نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا شخص ایک بیش بہا تعلیم سے محروم رہتا ہے۔ اور اعلیٰ بلندیوں پر نہیں پہنچ سکتا۔

- مصیبت سے انسان میں جفاکشی، محنت اور کفایت شعاری پیدا ہوتی ہے۔
- مصیبت انسان کو استقلال اور صبر سکھاتی ہے اور ثابت قدمی پیدا کرتی ہے۔
- مصیبت اچھے برے دوست میں تمیز کرا دیتی ہے اور دوست دشمن پرکھے جاتے ہیں۔
- مصیبت کی وجہ سے بداخلاقیاں، خامیاں، آوارگیاں اور بدکرداریاں دور ہو جاتی ہیں۔
- مصیبت میں انکساری، رحمدلی، سلامت روی اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔
- مصیبت میں روپیہ کی قدر معلوم ہوتی ہے۔
- مصیبت میں کاہلی، سستی، آرام پسندی، عیاشی دور ہو جاتی ہے
- مصیبت سادہ خوراک، سادہ لباس کا عادی بناتی ہے۔
- مصیبت انسان کو کندن بناتی ہے۔
- مصیبت ترقی کا زینہ ہے۔

بہت سے لوگ فاقہ کشی سے مجبور ہو کر کلہاڑی اور ہتھوڑے چلانے لگے۔ ہتھوڑے چلاتے چلاتے موجد بن کر کروڑپتی بن گئے۔

سرخرو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد

(عبدالرب نگہت)

صفحہ 56 سے آگے والے صفحات پیچھے لگے ہوئے ہیں